سیدنا ابوبکر الصدیق
سیدنا عمر الفاروق
تحریک خدام اہل سنت
کا ترجمان
نظام خلافت راشدہ
کا داعی
سیدنا عثمان ذوالنورین
سیدنا علی المرتضیٰ
حق چار یار
زیر نگرانی
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

خدامِ اہلسنت کی دُعا

از حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بانی تحریک خدام اہلسنت پاکستان

۳ محرم ۱۳۹۳ھ — ۶ فروری ۱۹۷۳ء

خدایا اہل سُنت کو جہاں میں کامرانی دے — خلوص و صبر و محبت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآں کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں — رسول اللہ کی سُنت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروںؓ کی صداقت کو — ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہل بیتؓ سب کی شان سمجھائیں — وہ ازواجِ نبیِ پاکؐ کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو — تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچم اسلام کو بالا — انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچم اسلام لہرائیں — کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل — عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبہ کامل

ہو آئینی تحفظ[1] ملک میں ختمِ نبوت کو — مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی — رسولِ پاکؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے — تیری راہ میں ہر اک سُنی مسلماں وقف ہو جائے

تیری توفیق سے ہم اہل سُنت کے رہیں خادم — ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرِ ناداں

تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری ظل

[1] الحمد للہ تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ منظور ہو چکا ہے اور آئینِ پاکستان میں قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلافت راشدہ حق چار یارؓ

نظام خلافت راشدہ زندہ باد

یا اللہ مدد

تحریکِ خدام اہلسنت والجماعۃ پاکستان کا ترجمان
نظامِ خلافتِ راشدہ کا داعی

ماہنامہ حق چار یار رضی اللہ عنہم لاہور

زیر سرپرستی
قائد اہلسنت وکیل صحابہؓ مظہر شریعت و طریقت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ
بانی و امیر تحریکِ خدام اہلسنت پاکستان، چکوال فون نمبر ۲۴۳۴

مدیر مسئول
حکیم حافظ محمد طیب

جلد: ۳ شمارہ: ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ دسمبر ۱۹۹۰ء سالانہ چندہ ۶۰/- روپے فی شمارہ ۷/- روپے

سالانہ بدل اشتراک برائے بیرون ممالک بذریعہ ہوائی جہاز رجسٹری

ریاستہائے متحدہ امریکہ ۲۲۰/- روپے

ہانگ کانگ، نائیجیریا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، برطانیہ، جنوبی افریقہ
ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ ۱۸۰/- روپے

سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت ۲۵/- ریال

رابطہ: دفتر ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور، مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور فون نمبر ۴۱۶۱۰۷

ناشر: حکیم حافظ محمد طیب، مطبع افضل شریف پرنٹرز، مقام اشاعت دفتر ماہنامہ حق چار یارؓ لاہور، مدینہ بازار ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اس شمارے میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اھدنا الصراط المستقیم

زیرِ عنوان مضمون کی قسط دوم میں اس آیت کی مختصر تشریح کے علاوہ اسی سورۃ الفتح کی آیت رضوان سے بیعتِ رضوان کرنے والے قریباً چودہ سو صحابہ کرام رض کا رضوانِ خداوندی کا مصداق ہونا اور ان کا جنتی ہونا ثابت کیا گیا تھا اور مخالفین کے شبہات و اعتراضات کا بھی تحقیقی جواب عرض کر دیا تھا۔ اب یہاں آیت زیرِ بحث سے صحابہ کرام رض کی ان صفاتِ کاملہ کا بیان مقصود ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے معجزانہ کلام میں ان کی بیان فرمائی ہیں اور یہ تمام صفات دراصل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جلووں کا نتیجہ ہیں جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو درجہ بدرجہ نصیب ہوئے ہیں۔ اسی حقیقت کے اظہار کے لیے مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کے ساتھ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ فرمایا ہے اور یہ ان اہلِ ایمان کی صفات ہیں جن کو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی اور روحانی ہر طرح کی معیّت، صحبت اور سنگت کا شرف نصیب ہوا ہے۔

پہلی صفت

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ۔ وہ کافروں کے مقابلے میں بہت سخت اور مضبوط ہیں اور آپس میں رحیم و کریم ہیں۔ یہاں سختی اور شدت سے مُراد ان کی وہ استقامت ہے کہ اپنی ہر محبوب سے محبوب چیز کو، خواہ وہ مال و اولاد ہو یا اپنی جان، کفر کی طاقتوں کے مقابلے میں قربان کر دیں اور اپنے مؤقفِ ایمانی پر مضبوطی سے قائم رہے اور ان کی اس اعلیٰ صفت کا ظہور بیعتِ رضوان کے موقع پر ہوا جس میں انہوں نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے موت و جہاد کی بیعت کی تھی اور ان کو چونکہ کفر مبغوض اور ایمان محبوب ہے اس لیے وہ باوجود اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کی شان بھی رکھتے ہیں یعنی ایمان کی وجہ سے اپنے مؤمن بھائیوں کے ساتھ رأفت و رحمت کا برتاؤ کرتے ہیں غرضیکہ

وہ الحب للہ اور البغض للہ کا پورا پورا مصداق ہیں۔ ان کی دوستی اور دشمنی اپنی نفسانیت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہے۔

دوسری صفت

تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا آپ ان کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے سامنے رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا تعلق بندوں سے تھا اور تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا کا تعلق براہِ راست اپنے رب کے ساتھ ہے کہ وہ نمازیں پڑھتے ہیں اور اللہ کی عظمت کے پیش نظر رکوع اور سجدے سے اپنی عبودیت کا اظہار کرتے ہیں۔ نماز تو ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن صحابہ کرامؓ کی نمازوں کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کا پرتو حاصل تھا لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اصل اور پرتو (ظل) بالکل ایک نہیں ہوتے۔ انہوں نے نماز سیکھی بھی حضورؐ سے اور پڑھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں۔ ان کی نماز کے گواہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام الصحابہؓ بھی ہیں اور امام الانبیاء والمرسلین بھی۔ چنانچہ شبِ معراج میں تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھنے کا شرف نصیب ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا قرب اور کتنی مقبولیت حاصل ہے کہ ان کی عبادت کی صورت یعنی رکوع وسجود کا ذکر بھی رب العالمین نے اپنے کلام میں فرمادیا۔

تیسری صفت

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں۔ یہاں حق تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے خلوص نیت اور صفائی قلب کی شہادت دے دی ہے اور یہ شہادت وہی دے سکتا ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ وہ سینوں کے اندر چھپے ہوئے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی اعمالِ شریعت کی بظاہر پابندی کرتا ہے لیکن اس کو اللہ کی رضا مطلوب نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کرتا ہے تاکہ لوگ اس کو نیک اور صالح سمجھیں اور اس کی بزرگی کی معرفت ہوجائیں اور صحابہ کرامؓ کی یہ صفات کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں بہت سخت ہیں۔ آپس میں مہربان ہیں اور رکوع وسجود کرتے ہیں۔ یعنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس پر مخالف یہ کہہ سکتا تھا کہ صحابہؓ کی نماز اور جہاد دنیوی اقتدار کے حصول کے لیے تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ اور عموماً شیعہ

یہی کہا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے معاندانہ اعتراض کا قلع قمع کر دیا اور واضح طور پر فرما دیا کہ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ اعمال محض ظاہرداری کے طور پر نہیں بلکہ ان کے اندر خلوص کا نور ہے اور وہ جو کچھ کرتے ہیں صرف میرا فضل اور میری رضامندی حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں اور سورۃ توبہ میں ایک جامع اعلان فرمایا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے) اس سے بڑھ کر صحابہ کرامؓ اور خصوصاً اصحاب بیعت رضوان کے لیے اور کونسی سند اور بشارت ہو سکتی ہے اور قرآن حکیم کی اسی قسم کی آیات کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام صحابہؓ مخلص اور متقی تھے اور بطور شاذونادر اگر کسی صحابی سے کسی وقت بشری تقاضے کے تحت گناہ کا صدور ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر ان کو سچی توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دی اور ان کی توبہ بھی دوسروں کے لیے ایک معیاری نمونہ بن گئی۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کا باہمی اختلاف بھی نفسانی خواہشات پر مبنی نہ تھا۔

واختلافے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات واقع شدہ نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوس شریفۂ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امارگی باطمینان رسیدہ۔ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود بلکہ آں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود و اعلائے حق پس مخطی ایشاں نیز درجہ واحدہ دارد عنداللہ و مصیب را خود دو درجہ است الخ

(مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد اوّل مکتوب ۸۰ ص ۱۰۵)

اور اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے مابین جو اختلاف ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی بنا پر نہ تھا کیونکہ ان کے شریف نفس امارگی سے پاک ہو کر مطمئنہ بن گئے تھے اور ان کی خواہش شریعت کے تابع ہو چکی تھی بلکہ ان کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور امر حق بلند کرنے کی غرض سے تھا۔ پس ان میں سے جس سے اجتہادی خطا ہو گئی وہ اللہ کے نزدیک ایک درجہ اجر رکھتا ہے اور جس کا اجتہاد صحیح ہوا اس کو خود دو درجہ اجر ملیگا۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگرچہ معصوم نہیں ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فیضِ صحبت سے ان کی روحانی قلبی اس قدر اصلاح ہو گئی ہے اور ان کی نسبت باطنیہ اس قدر قوی ہو گئی ہے کہ مابعد کے اولیاء اللہ سالہا سال کی ریاضتوں سے بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکے یہی وجہ ہے کہ اجماع امت ہر ہر صحابی کی افضلیت کا بعد والوں پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ عمرؒ بن عبدالعزیزؒ افضل ہیں یا معاویہ (رضی اللہ عنہم) تو فرمایا کہ امیر معاویہ رضؓ کے اس گھوڑے کے نتھنوں کی خاک جس پر سوار ہو کر انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا ہے عمرؒ بن عبدالعزیزؒ سے افضل ہے (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل مکتوب ۸۸ ص ۳۵۹). قرآن مجید کی اس آیت یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وغیرہ دوسری آیات کی روشنی میں ہی اہل السنّت والجماعت نے صحابہ کرام رضؓ کے متعلق اپنا یہ عقیدہ قائم کیا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضؓ مخلص اور تمام صحابہ عادل ہیں (الصحابہ کلہم عدول) اور یہی عقیدہ حق ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگرچہ محمد رسول اللہ والذین معہ کی آیات اصحاب بیعت رضوان کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور وہی ان کا اوّلین مصداق ہیں لیکن ان کی یہ صفات چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت کا فیضان ہیں اس لیے ان کے علاوہ جو اصحاب ہیں ان کو بھی چونکہ معیت اور صحبت نبویؐ کا عظیم شرف حاصل ہوا ہے اس لیے وہ بھی درجہ بدرجہ ان صفات عالیہ کا مصداق ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"خیال فرمایئے کہ یہ متبعین صحابہ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بلفظ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ ذکر فرمائی ہیں جو کہ حسبِ قاعدہ اصولیہ استغراق پر دلالت کرتا ہے اور حسب قاعدہ معانیہ تمام ساتھیوں کو شامل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام ساتھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے جامع ہیں اور یہی مفہوم تمام اہلسنّت والجماعت سمجھتے ہیں جن کی وجہ سے وہ تمام صحابہ کرام رضؓ کی تعدیل اور توثیق کرتے ہیں۔ کسی کی جرح اور تنقید کرنا جائز نہیں سمجھتے اور اس کے لیے ان کی مقدس زندگی اور اللہ تعالیٰ کی انتہائی ثنا اور صفت کو شاہد عدل قرار دیتے ہیں مگر مودودی صاحب اس کے مقابلہ میں کسی ایک صحابی کو بھی خواہ وہ خلیفہ راشد ہو یا غیر خلیفہ۔ خواہ وہ مبشر بالجنۃ ہو یا غیر مبشر، خواہ وہ بدری ہو یا غیر بدری، خواہ وہ بیعت رضوان والا ہو یا غیر رضوان الغرض کسی کو بھی نہ معیارِ حق مانتے ہیں نہ تنقید سے بالاتر نہ تقلید کا مستحق۔ کیا یہ کتاب اللہ اور قرآن کی صریح مخالفت نہیں ہے؟

مسئلہ نہیں ہے۔" (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی ص ۵۲)
اور کیا یہ اصولی

اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بھی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

دریں کریمہ جمیع اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات بکمال مہربانی کہ با یکدیگر داشتند مدح فرمودہ است الخ (مکتوبات امام ربانی جلد سوم مکتوب ۴۴ ص ۴۵)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت خیر البشر (رسول اللہ) علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کے تمام اصحاب کی کمال مہربانی کی تعریف فرمائی ہے جو وہ ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے۔

شیعہ مفسر اور شیعہ مفسر مولوی حسین بخش جاڑا بھی ان آیات کی تشریح میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کچھ نرم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ان آیات میں صلح حدیبیہ کے اسباب حقیقیہ پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں حضرت رسالت مآب کی پوزیشن کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی ان کا کفار کے ساتھ معاملہ صلح اپنی خواہشات کا ترجمان نہیں تھا بلکہ بحیثیت رسول اللہ ہونے کے انہوں نے صلح کا فیصلہ کیا اور مسلمان چونکہ اس صلح کے انجام خیر سے واقف نہ تھے اس لیے وقتی طور پر ان کے جذبات کو ٹھیس لگی لیکن بعد میں سنبھل گئے۔ لہٰذا ان کی بھی آخر میں تعریف کی گئی کہ وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں الخ۔ ان سب صفات کا جامع حضرت علی علیہ السلام تھے۔" (تفسیر انوار النجف جلد ۱۳ ص ۹۱)

تبصرہ مفسر شیعہ نے یہاں بخل (کنجوسی) سے کام لیا ہے۔ کاش کہ وہ کھل کر وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ یعنی جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف و توصیف کر دیتے تاکہ مرادِ خداوندی واضح ہو جاتی۔ کیا یہ صفات ایمانیہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ صرف حضرت علی المرتضیٰ میں تھیں یا ایک پوری جماعت میں درجہ بدرجہ پائی جاتی تھیں جو بیعتِ رضوان میں شامل تھے۔ بہرحال تھوڑا سا جو کچھ مفسر صاحب نے لکھ دیا ہے ایں ہم غنیمت است۔

چوتھی صفت سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (۱) ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان ہیں۔" (ترجمہ شیعہ تفسیر انوار النجف)

(۳) ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ (ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)
(۴) ان کے چہروں میں علامتیں موجود ہیں سجدہ کے اثر سے۔ (ترجمہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بحوالہ ہدیۃ الشیعہ طبع دوم ص ۸۱)

صحابہ کرامؓ کی یہ چوتھی صفت بھی ان کی اہم خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کی نورانیت کا بھی ذکر فرما دیا۔ حالانکہ بظاہر چہرے کی رنگت کو بزرگی میں کوئی دخل نہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے چہرے کی رنگت گو سیاہ تھی لیکن آپ مؤذن عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جنتی ہیں لیکن صحابہ کے چہروں کی شان آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کو سجدوں کی وجہ سے حق تعالیٰ کا خاص قرب نصیب ہوتا ہے اور اس قرب کی وجہ سے ان کے سینے میں جو انوار پیدا ہوتے ہیں اس کا اثر ان کے چہروں پر بھی نمایاں ہوتا ہے اور ان کے چہروں کی یہ نورانیت بھی حضور رحمت للعالمین کے چہرہ انور کا پرتو تھا جن کو قرآن مجید میں سراج منیر فرمایا گیا ہے۔ اصل انوار بالذات تو سینہ نبوی میں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خاص تجلیات کا محل ہے لیکن حضورؐ کے طفیل ان انوار کا ظل اور پرتو صحابہ کرامؓ کو نصیب ہے اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اصل اور ظل ہر حیثیت سے دونوں ایک نہیں ہوتے۔ اصل اصل ہے اور ظل ظل۔ جیسا کہ دھوپ آفتاب کا پرتو ہے لیکن دونوں ایک اور برابر حیثیت کے نہیں ہیں۔ الحاصل تمام اصحاب رسول اور بالخصوص اصحاب بیعت رضوان بارگاہ الوہیت میں اتنے مقبول اور پسندیدہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جہاں قرآن میں ایمان والوں سے ان کی دوسری صفات کاملہ منواتا ہے وہاں ان کے نورانی چہروں کی بھی اہل ایمان سے تصدیق کراتا ہے یعنی صحابہ کرامؓ کے نورانی چہروں کو ماننا بھی جزو ایمان ہے۔

پانچویں صفت

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ (۱) یہ صفت ان کی بیچ توراۃ کے اور صفت ان کی بیچ انجیل کے (ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی) (۲) یہ ان کے اوصاف توراۃ میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے کہ جیسے کھیتی الخ (ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ) (۳) یہ (جو بیان کی گئی ہے) صفت توراۃ میں ہے اور یہی صفت ان کی انجیل میں ہے۔" ترجمہ تفسیر انوار النجف مولوی حسین بخش شیعہ مجتہد) آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے صحابہ کرامؓ

کی جن صفتوں کا ذکر فرمایا ہے اور جو بفضلہٖ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ان کو نصیب ہوئی ہیں ان کی انہی صفات کو رب العالمین نے صدیوں پہلے کی نازل کردہ آسمانی کتابوں تورات اور انجیل میں بیان فرما دیا ہے۔ یہ ہے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ممتاز شانِ ایمانی کہ پیدا وہ صدیوں بعد میں ہوئے لیکن خالق جلشانہٗ نے صدیوں پہلے ان کی انہی صفاتِ کاملہ کا ذکر فرما کر تورات اور انجیل پر ایمان لانے والوں پر بھی صحابہ کی ان صفات کا ماننا لازم کر دیا۔ اب اس کا امکان ہی نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں تشریف آوری کے بعد جو اہل ایمان صحبت نبویؐ سے مشرف ہوں وہ قرآن کی مذکورہ صفات سے محروم رہ جائیں کیونکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے خود اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ صفات پیدا کرنی ہیں اور وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ گو اصل تورات اور انجیل میں تحریف و تبدیلی ہو چکی ہے حتیٰ کہ جن زبانوں میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں ان کا کوئی نسخہ بھی باقی نہیں رہا۔ اب جو بائبل ہے اور اس میں جو کتابیں ہیں ان کے ترجمے ہیں اور ترجموں میں بھی تحریف کی گئی ہے۔ پادری صاحبان موقع بہ موقع خود ان میں تصرف اور تبدیلی کرتے رہتے ہیں، تاہم اب بھی بائبل میں حضور خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے متعلق بعض پیشگوئیاں موجود ہیں مثلاً فتح مکہ کے موقع پر حضور خاتم النبیینؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار صحابہ کرامؓ کا لشکر تھا (صحیح بخاری کتاب المغازی) اور بائبل میں (تورات) کتاب استثناء ۳۳ باب ۱-۲ درس میں ہے: "یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا۔ خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔" سینا سے آنے سے (حضرت) موسیٰؑ اور شعیر سے خداوند کے ساتھ آنے سے مراد حضرت عیسیٰؑ ہیں۔ باقی پیشگوئی (حضرت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت ہے جو دس ہزار صحابہ کے ساتھ فاران کے پہاڑ سے فاران والوں پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ آتشی شریعت سے مراد نورانی اور آسمانی شریعت ہے کیونکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے آگ میں سے کلام سنا تھا۔ "ان کے لیے" مراد یہ تھی کہ اہل مکہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو جائیں گے۔" (رحمۃ للعالمین جلد اول مؤلفہ قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ) دس ہزار قدسیوں کے الفاظ

ء کی مطبوعہ بائبل میں موجود ہیں جو میرے پاس ہے لیکن چند سال بعد کی مطبوعہ بائبل میں بجائے اس کے یہ لکھ دیا ہے : لاکھوں کے ساتھ آیا۔" یہ ہے پادریاں کی بائبل کی حیثیت کہ حسب ضرورت اس کے ترجمے میں بھی ردوبدل کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے برعکس قرآن مجید کی یہ شان ہے کہ حسب وعدہ خداوندی اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم نے ہی اس نصیحت کی کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) اہل السنت والجماعت کے لاکھوں قرآن کے حفاظ موجود ہیں اور صحابہ کرامؓ سے لے کر آج ایک ہی قرآن کے نسخے کروڑوں کی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں لیکن شیعہ مفسرین اور محدثین عموماً اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب قرآن حکیم میں بھی تحریف و تبدیلی مانتے ہیں جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

چھٹی صفت كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (آیت ۲۹) (۱) وہ اس انگوری کی مثل ہیں جو اپنی کونپل نکالے ۔ پس اس کو مضبوط کرے ۔ پس وہ سخت ہو جائے ۔ پس اپنی ساق پر کھڑی ہو جائے کہ کاشت کرنے والوں کو خوش کرے (یہ اس لیے) تاکہ کفار کو غیظ میں لائیں (پس وہ جلتے رہیں) وعدہ کیا ہے اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لا کر نیک اعمال بجا لائیں بخشش کا اور اجر عظیم کا ۔ (ترجمہ مولوی حسین بخش جاڑا بحوالہ تفسیر انوار النجف) ۔ شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : پس حضورؐ کی مثل اس انگوری کی سی ہے اور صحابہ کی مثل کونپل کی سی ہے کہ ابتداء میں نہایت کمزور ہوتی ہے ۔ اور رفتہ رفتہ طاقت و توانائی میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جاتی ہے اور آخرکار وہ وقت آجاتا ہے کہ کاشت کرنے والا اس سے خوش ہوتا ہے اور وہ اپنے پورے شباب پر پہنچتی ہے ۔ پس اس طرح خدا نے مسلمانوں کو شوکت عطا فرمائی تاکہ کفار ازراہِ غیظ و غضب دیکھتے اور جلتے رہیں اور نتیجہ میں حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل کا منہ کالا۔

تبصرہ مولوی حسین بخش کے ترجمہ اور تفسیر کے بعد جماعتِ صحابہؓ سے بدظنی اور مخالفت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی ۔ یہ ساری کھیتی اور یہ سارا گلشن جماعت صحابہؓ ہی ہے اور شیعہ مفسر نے صحابہ کی مثل کونپل کی سی ہے کے الفاظ سے تصریح کردی کہ اس سے مراد

صحابہ ہی ہیں اور پھر یہ لکھا کہ: اس طرح خدا نے مسلمانوں کو شوکت عطا فرمائی تاکہ کفار ازراہ غیظ وغضب دیکھتے اور جلتے رہیں۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کفار پر غالب ہوئے اور ان کے اس عروج کو دیکھ کر جو جلتے ہیں وہ کفار میں سے ہی ہیں اور جو اس محمدی باغ اور گلشنِ صحابہؓ کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں وہ مومن ہیں۔ یہی اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ کاش کہ مؤلف تفسیر انوار النجف مولوی حسین بخش صاحب اپنی اس پیش کردہ تفسیر کے مطابق اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق اور جنتی مان لیتے

؎ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

(۲) جیسے کھیتی۔ اس نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی کہ کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ ان سے کافروں کو جلاوے۔ اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ شروع میں کم تھے۔ ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے۔ مردوں میں صدیق اکبرؓ، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے اور لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کے تحت لکھتے ہیں: حضرت ابو عروہ زبیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے۔ ایک شخص نے بعض صحابہ کرامؓ کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالکؒ یہ آیت پوری تلاوت کر کے جب لیغیظ بھم الکفار پر پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرامؓ میں سے کسی کے ساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی۔ (قرطبی) (تفسیر معارف القرآن جلد ہشتم)

حضرت مدنیؒ کا ارشاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب محدث مدنی قدس سرہ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) نے آیت وَالَّذِينَ مَعَهُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: یہ آیت صاف طور پر بتلاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں (صحابہ کرامؓ) کا ایمان درجہ اذعان و یقین سے تجاوز کر کے درجۂ محبت کے اعلیٰ مرتبہ

تک پہنچ گیا ہے جس کی بنا پر اللہ اور رسول کی محبت بڑھتے بڑھتے ان کے ماننے والوں اور ان پر ایمان رکھنے والوں تک بھی بدرجہ اتم پہنچ گئی ہے یہاں تک کہ اللہ اور رسول ؐ سے دشمنی رکھنے والے ان کی نظروں میں انتہائی درجہ میں مبغوض ہو گئے ہیں۔ وہ ان سے نہ صرف قطع علائق کرنے لگے ہیں بلکہ ان سے سخت معاملات اور تشدد بھی کرنے لگے ہیں اور اس طرح ان میں خدا اور رسول کی محبت اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ ان کے ماننے اور ایمان رکھنے والے بھی انتہائی درجہ میں محبوب ہو گئے ہیں تا اینکہ ان پر شفقت اور رحمت کرنے والے بھی ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ان میں اس قدر عبودیت پیدا ہو گئی ہے کہ نہ صرف اللہ عزّ و جلّ کی مراسم عبودیت انجام دیتے ہیں بلکہ ہر وقت علیٰ سبیل الدّوام راکع اور ساجد نظر آتے ہیں اور یہ مراسم عبودیت جوارح اور اعضا تک ہی محدود نہیں رہے ہیں بلکہ ان کے قلوب اور ارواح بھی اس سے رنگین ہو گئے ہیں تا اینکہ وہ نفسانی دینی اور دنیوی اغراض سے بالاتر ہو کر فقط رضا اور خوشنودی کے طلب گار بن گئے ہیں ان کا نصب العین اور مطمح نظر محض رضائے الٰہی اور اس کا فضل و کرم ہے۔ نیز یہ عبودیت اور تابعداری خداوندی گاہے گاہے ہونے والی نہیں ہے بلکہ وہ تمام اعضاء اور جوارح میں دوامی کیفیت اور رسوخ کی وجہ سے تمام جسم میں سرایت کر گئی ہے۔ چہروں اور اعضاء پر نشان ہائے عاجزی اور خشوع اور خضوع حسب قاعدہ کل اناء یترشح بما فیہ (یعنی برتن سے وہی چیز باہر نکلتی ہے جو اس کے اندر ہو) ظاہر ہو رہے ہیں نیز یہ کہ کمالات اور اخلاق ان کے وقتی اور نئے نہیں ہیں بلکہ علام الغیوب پر ان کے یہ کمالات ازل الآزال میں ظاہر اور ہویدا ہو چکے ہیں چنانچہ تورات اور انجیل میں ان کی یہ نشانیاں بیان ہو چکی ہیں۔ خیال فرمائیے کہ یہ منقبتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بلفظ وَالَّذِينَ مَعَهُ ذکر فرمائی ہیں جو کہ حسب قاعدہ اصولیہ استغراق پر دلالت کرتا ہے اور حسب قاعدہ معانیہ تمام ساتھیوں کو شامل ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام ساتھی جناب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے جامع ہیں اور یہی مفہوم تمام اہلسنت والجماعت سمجھے ہیں جس کی وجہ سے وہ تمام صحابہ کرام کا تزکیہ اور توثیق کر رہے ہیں۔ کسی کی جرح اور تنقید کرنا جائز نہیں سمجھتے اور اس کے لیے ان کی مقدس زندگی اور اللہ تعالیٰ کی انتہائی ثنا اور صفت کو شاہد عدل قرار دیتے ہیں مگر مودودی صاحب اس کے مقابلے میں کسی ایک صحابی رضؓ کو بھی خواہ وہ خلیفہ راشد

ہو یا غیر خلیفہ، خواہ وہ مبشر بالجنۃ ہو یا غیر مبشر، خواہ وہ بدری ہو یا غیر بدری، خواہ وہ بیعت رضوان والا ہو یا غیر رضوان الغرض کسی کو بھی نہ معیارِ حق فرماتے ہیں نہ تنقید سے بالاتر، نہ تقلید کا مستحق۔ کیا یہ کتاب اللہ اور قرآن کی صریح مخالفت نہیں ہے اور کیا یہ اصولی مسئلہ نہیں ہے۔ (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت)

اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے جس معجزانہ انداز میں حضور خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفات عالیہ بیان فرمائی ہیں اس سے واضح ہوتا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السّلام کے بعد اولادِ آدم میں جماعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اکملیت اور افضلیت حاصل ہے اور پھر اسی جماعت مقدسہ میں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین میں مہاجرین اولین کو خلیفہ بنانے کا اعلان فرمایا ہے اور مہاجرین اوّلین میں سے صرف چار یارؓ ہی کو موعودہ خلافت کا منصب عطا فرمایا گیا ہے۔ یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہی صحیح اور برحق عقیدہ ہے جس کو جمہور اہلسنّت والجماعت نے اختیار فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات صحابہؓ اور خلفاء راشدینؓ کی بے ادبی، تنقیص اور توہین سے اہلِ اسلام کو بچائیں اور اہلسنّت والجماعت کو دارین کی سعادت نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

خادم اہل سنّت
منظور حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال
۲۷ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

صحابہؓ کی عظمت پہ ایمان لانا

صحابہؓ کی عظمت پہ ایمان لانا
ٹھکانہ ہے خُلدِ بریں میں بنانا

وہی لوگ جنّت نشیمن ہیں جن کو
محبّت صحابہؓ سے ہے والہانہ

صحابہؓ سے ہے جن کے دل میں کدورت
جہنّم کی آتش ہے ان کا ٹھکانہ

صحابہؓ کی توقیر کرتے رہیں گے
ہے جب تک ہمارا یہاں آب و دانہ

دل و جاں سے آلِ نبیؐ پر تصدّق
ابوبکر صدّیقؓ کا تھا گھرانہ

ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ سے بے حد
علیؓ کے مراسم رہے ہے دوستانہ

بتاتے ہیں جو اِن کے مابین رنجش
ہے سوچ اِن کی بے انتہا احمقانہ

علیؓ تھے مشیرِ خصوصی ہر اک کے
علیؓ کی بڑائی کو تھا سب نے مانا

"علیؓ اور شیخینؓ میں تھی کدورت؟"
ہے شیعوں کا اپنا تراشا فسانہ

یہ سب ہستیاں تھیں بہت برگزیدہ
تقدّس کا ان کے نہ تھا کچھ ٹھکانہ

تقیّہ کا مطلب ہے دل میں کدورت
بظاہر مگر دیکھ کر مُسکرانا

تقیہ تھا شانِ علیؓ کے منافی
علیؓ تھے شجاعت میں فردِ یگانہ

انہیں اتنا کمزور کر کے دِکھانا
ہے دُنیا کی آنکھوں میں ان کو گِرانا

علیؓ تھے جلال و شجاعت کے پیکر
ہے ان کی شجاعت کا قائل زمانہ

یہ طومار و طوفانِ تہمت ہے سارا
ندامت چھپانے کا عذر و بہانہ

یہ آہ و بکا، شور و شر، سینہ کوبی
جرائم چھُپانے کا ہے شاخسانہ

"علیؓ اور شیخینؓ و عثمانؓ میں نفرت؟"
یہ سارا الف لیلوی ہے فسانہ

عنایت کیا اہلِ سُنّت کو سرور
خدا نے حقائق کا نادِر خزانہ

حضرت سرور میواتی

وہ نفوسِ قدسیہ

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین

جب سے وہ گم ہوئے دین کا مزہ جاتا رہا

حضرت مولانا بدر عالم صاحب محدث میرٹھی ثم مہاجر مدنی

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْ اُمَّتِیْ کَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ لَا یَصْلُحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ قَالَ الْحَسَنُ فَقَدْ ذَھَبَ مِلْحُنَا فَکَیْفَ یَصْلُحُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ، مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری تمام امت میں میرے صحابہ کی مثال (یعنی وہ لوگ جنہوں نے مجھ کو ایمان کے ساتھ ایک بار بھی دیکھ لیا ہے یا ان کو میری صحبت نصیب ہوئی اور اسی حالت پر ان کا خاتمہ ہو گیا) ایسی ہے جیسا نمک کھانے میں کہ جیسے کھانا نمک کے بغیر اچھا اور لذیذ نہیں ہو سکتا اسی طرح میری امت کی اصلاح میرے صحابہ کی اتّباع کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ حسنؒ صحابہؓ کے دور کے گذرنے پر بڑی حسرت کے انداز میں یہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا نمک ہی ختم ہو گیا تو اب ہمارے دین میں لذت کہاں اور کیسے!

شرح: قرآن کریم میں ارشاد ہے وَرَبُّکَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَیَخْتَارُ مَا کَانَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ۔ (اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے جس کو چاہے ان کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا) (پ ۲۰ رکوع ۱۰) خلاصہ یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی شان یہ ہے کہ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے اور پھر اس میں سے جس کو چاہے انتخاب فرما لیتا ہے یعنی جس طرح پیدا کرنا یہ خاص اس کی صفت ہے اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، اسی طرح کسی کا انتخاب فرما لینا یہ بھی اسی کی شان ہے اس میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں مثلاً زمین میں اس نے مکہ مکرمہ کو بیت اللہ

کے لیے انتخاب فرمایا اور مدینہ طیبہ کو اپنے حبیب پاک کے دفن ہونے کے لیے انتخاب فرمایا اسی طرح انسانوں میں سے جس کو چاہا اپنی رسالت کیلئے منتخب فرمایا اور رسولوں میں سے جس کو چاہا اپنا حبیب بنانے کے لیے انتخاب فرمایا صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ پھر جس طرح اپنے حبیب پاک کی زوجیت کے لیے صنف نساء میں سے چند عورتوں کا انتخاب فرمایا اسی طرح آنحضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیت کے لیے تمام عالم میں سے جن نفوسِ قدسیہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ سب انتخابات اسی خدا وحدہ لاشریک لہٗ کی صفت اختیار کے ماتحت ہیں جس میں کسی کا کوئی دخل نہیں اور نہ کسی کو اس سے باز پرس کرنے کا کوئی حق ہے۔

اب آپ سوچ لیجیے کہ جو عالم میں خدائی انتخاب کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف صحبت کے لیے چنے گئے ہوں گے وہ کیسے قیمتی اور پاک نفوس ہوں گے، لہٰذا ان کا کیا پوچھنا جو تمام جہاں سے آپ کی فیضِ صحبت کے لیے منتخب ہوئے خدا کی کتاب اور خدا کا دین انہیں کے ذریعہ سے دنیا میں پھیلا اور انہیں کے دم سے یہ دین ہم کو نصیب ہُوا۔ وہی قرآن کے سب سے پہلے حامل تھے اور وہی سب سے پہلے اس پر عمل کرنے والے تھے جنہوں نے سب سے پہلے دین کے لیے اپنا وطن چھوڑا، تجارت اور مال و دولت سے منہ موڑا اور وہی تھے جنہوں نے سب سے پہلے دین کے واسطے اللہ اور رسولؐ کی محبت میں اپنی گردنیں کٹوائیں اور شوق ذوق سے اپنی بیویوں کو بیوہ بنایا اور اپنے پیارے بچوں کو یتیم بنایا اور یہ سب کچھ اتنی خوشی سے کیا گویا ان تمام قربانیوں کے لیے ہی وہ پیدا کیے گئے تھے۔ انہیں کے تذکروں سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے اور زمین کا چپہ چپہ ان کی سچی قربانیوں کی گواہی دے رہا ہے۔ تاریخ ان کے زریں کارناموں کو یاد کرکے رو رہی ہے اور زمین و آسمان اس کی شہادت پر بے ساختہ گواہی دے رہے ہیں۔ یہ ان کی مدح سرائی نہیں بلکہ حقیقت ہی حقیقت ہے اور وہ حقیقت ہے جس کے اظہار سے قلم درماندہ اور زبان عاجز ہے۔

حسبِ بیانِ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض خاص حوارین (یعنی حضرت عیسیٰؑ کے صحابیوں) نے اپنے رسول پاک (حضرت عیسیٰؑ) کے ساتھ غداری کی اور خود انجیلوں کے بیان کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری میں خاص حصہ لیا لیکن خدا کے اس آخری پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرامؓ نے ایک موقع پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ یہ جواب دیا کہ

خدا کے پیارے رسول ﷺ! ہم وہ نہیں جو اصحابِ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح یہ کہ دیں کہ فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ، سو تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (پ ۶ رکوع ۸) یعنی اے موسیٰ! بس تو اور تیرا رب جا کر ہمارے دشمنوں سے لڑو اور ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم وہ ہیں کہ اگر آپ ہم کو حکم دیں گے تو ہم بلا کسی پس و پیش کے اسی دم اپنے گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دیں گے ۔

آں نہ من باشم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من ۔ آں منم کہ اندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

یہ صرف ان کے زبانی دعوے نہ تھے بلکہ ہر موقع پر مدت العمر اپنے اعمال و اقوال سے اس کا ثبوت دیتے رہے ۔ مجھ کو یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کا صحیح نقشہ کھینچنا منظور نہیں اور نہ میرے قلم میں اس کی اہلیت اور لیاقت ہے ۔ یہ چند سطور اس رسالہ کے آخر میں صرف تبرکاً درج کرنے پر مجبور ہوں کیونکہ انہیں کے طفیل میں آج میرا شمار مسلمانوں کی قطار میں ہے ۔ سورہ فتح کے آخر میں ان کا نقشہ جس انداز میں کھینچا گیا ہے اس کو لکھے بغیر قلم نہیں رکتا ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہے اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر، نرم دل ہیں آپس میں) (پ ۲۶ رکوع ۱۲)

کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور ان کی صداقت کا بدیہی ثبوت وہ نفوس ہیں جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش ان کی صحبت میں رہتے ہیں کیونکہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ انسان کی اولوالعزمی اور بلندی پہچاننے کا معیار اس کے رفقاء و ہم نشین یعنی اس کی سوسائٹی ہوتی ہے ۔

یہاں آپ کے فیض صحبت یافتہ نفوس کے جن چیدہ صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں کہ وہ باہم تو بہت نرم دل اور ہمدرد ہیں لیکن دشمنِ خدا اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں بڑے سخت اور کڑے ، ان کی عباداتِ الٰہی کا نقشہ دیکھنا چاہو تو اس طرح دیکھو گے گویا وہ ہمہ وقت نمازوں میں سربسجود ہیں ، للٰہیت کے اتنے بلند کہ دنیوی کسی طمع کا ان کے دلوں میں نام نہیں ، صرف ایک رضائے الٰہی اور اس کے فضل کے متلاشی نظر آئیں گے ۔

آں کمی تو اہم کہ گرد قصرِ جنت جائے من ۔ دل ایں بر من گرفتہ راضی زمن مولائے من

اس شعر میں گویا ان ہی کی کیفیت کی حکایت ہے۔ نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے
ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت وخضوع اور حسن نیت واخلاص کی شعاعیں
باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحابؓ اپنے چہروں کے نور اور
متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔ پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب
ان کے چہرے اور طور وطریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ! یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔
قرآن کریم میں صحابہؓ کی مثال ان آیات میں کھیتی کی سی بیان کی گئی ہے کہ جب دانہ پھٹ کر زمین
سے باہر نکل آتا ہے تو وہ اس کمزور حالت میں ہوتی ہے کہ ذرا سی لو لگے تو خشک ہو کر رہ جائے
لیکن رفتہ رفتہ قدرت اس کو اتنا مضبوط اور قوی بنا دیتی ہے کہ وہ لمبی لمبی شاخوں پر خود کھڑی ہو
کر لہلہاتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کی بڑھتی ہوئی شان دیکھ کر جو کافر
ہیں وہ جلے مرتے ہیں کہ یہ مٹھی بھر کمزور مسلمان ذرا سی مدت میں اس قابل کیسے ہو گئے کہ وہ خود
اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اتنے مضبوط ہو گئے کہ مخالفین ان کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوائد میں لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے
اسلام میں کوئی ایک دو فرد داخل ہوئے، پھر ان کی تعداد بڑھتی گئی اور بڑھتے بڑھتے فوج
در فوج لشکر در لشکر بن گئے اور آخرکار تمام عالم پر غالب آ گئے۔ صحابہؓ کی شانِ رحمت وغلظت
کے متعلق تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ صفات ہر انسان میں بھی ہوتی
ہیں لیکن فطری صفات کا ظہور اچھے اور برے محل کی تمیز نہیں کرتا یعنی جو رحم دل ہے وہ ہر جگہ رحمدل
ہے اور جو کڑوے مزاج کا ہے وہ ہر جگہ کڑوے مزاج کا رہتا ہے لیکن جب یہ صفتیں ایمان سے پھوٹ
کر نکلتی ہیں تو پھر ان کے ظہور کا محل علیحدہ علیحدہ ہو جاتا ہے یعنی نرمی اس جگہ ہوتی ہے جہاں نرمی چاہیئے
اور سختی اس محل پر ہوتی ہے جہاں اس کی ضرورت ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احسان
اور حسنِ سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو، کچھ مضائقہ نہیں مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا
نہ سمجھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مناقب میں یوں تو صحیح حدیثوں کے انبار لگے ہوئے

ہیں لیکن جس حدیث کو یہاں میں نے انتخاب کیا ہے وہ صرف اس لیے انتخاب کیا ہے کہ اپنے دورِ شباب میں جب کبھی میں نے انجیل کا مطالعہ کیا تھا تو ہر چند کہ وہ محرف ہو چکی ہے لیکن اس کا ایک فقرہ اتنا موثر ہے کہ اس کا اثر آج تک میرے دل میں تازہ محسوس ہوتا ہے اس وقت اس کا جو مضمون میرے دماغ میں ہے اس کے الفاظ قریب قریب یہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں " دیکھو تم دنیا کا نمک ہو لیکن اگر نمک کا مزہ جاتا رہے تو پھر وہ کس چیز سے نمکین کیا جائے گا"۔ یہی مضمون آپ کے سامنے آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہؓ کے متعلق ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ میرے صحابہؓ سے دین کی رونق اور دین کا مزہ اسی طرح ہے کہ جیسے کھانے کا مزہ نمک سے، مگر یہ وہ نمک نہ تھے جن کا مزہ جاتا رہتا بلکہ جب تک وہ دنیا میں موجود رہے دین اور دنیا ان کے وجود سے لطف اندوز ہوتے رہے اور جب وہ گذر گئے، راوی ان کو حسرت سے یاد کرکے ان کا نوحہ ان الفاظ میں کر رہا ہے کہ ہائے جب ہمارا نمک ہی باقی نہ رہا تو ہمارے دین میں مزہ کیا باقی رہے گا۔

صحیح مسلم میں ابوہریرہؓ اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سرِ مبارک کو آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا اور آپؐ کی اکثر عادتِ مبارکہ یہی تھی کہ (وحی کے انتظار میں) آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، ارشاد فرمایا کہ ستارے جب تک جگمگا رہے ہیں اس وقت تک آسمان بارش پاش ہونے سے محفوظ ہے اور جب ستارے ٹوٹ کر گر جائیں تو اس کے بعد آسمان کی خیر نہیں، اسی طرح میں اپنے صحابہؓ کے لیے ہر آفت سے ایک سپر ہوں اور جہاں میں رخصت ہوا تو میرے صحابہ کی خیر نہیں اور اسی طرح میرے صحابہؓ کا وجود میری ساری امت کے لیے باعثِ حفظ و امن ہے اور جب میرے صحابہؓ کا دَور ختم ہو جائے گا تو میری امت کی خیر نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۳) اس حدیث کی کچھ تشریح جواہر الحکم حصہ دوم کے مطالعہ سے واضح ہو سکتی ہے وہاں ملاحظہ کرلی جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا کچھ مجمل نقشہ رزین کی روایت میں مذکور ہے، اس سے ان کی صفاتِ عالیہ کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو کوئی صحیح طریقہ اختیار کرنا ہو تو وہ ان صحابہؓ کا طریقہ اختیار کرے جو خطرناک فتنوں سے محفوظ ہو کر دنیا سے گذر گئے اور ہم میں سے جو زندہ ہے اس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فتنوں

کے چکر میں پڑ کر گمراہ ہو سکیں گے۔

خوب یاد رکھو کہ وہ لوگ جو آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف ہوئے، اس تمام امت میں سب سے افضل تھے۔ ان کے قلوب نیکی اور تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ان کا علم سب سے زیادہ گہرا اور نہایت بے تکلف اور یہ فضیلت اُن کے لیے کم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے سب سے افضل رسول کی رفاقت کے لیے پسند کیا اور ان کے ذریعہ سے اپنا پسندیدہ دین، دنیا میں صحیح طور پر پھیلایا۔ لہٰذا یہ تمہارا فرض ہے کہ تم بھی ان کی اس فضیلت کو پہچانو اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہو اور جہاں تک ممکن ہو ان کی ایک ایک عادت اور اخلاق کو اختیار کرو کیونکہ وہ بلاشبہ ہدایت کی سیدھی راہ پر قائم تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۳۲)

اس حدیث میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اس مختصر رسالہ میں ان کی تشریح کی گنجائش نہیں۔ دیکھنے میں وہ معمولی نظر آتی ہیں لیکن ایک صحیح الفہم شخص کے لیے وہ ایک ایسا گہرا سمندر ہے جس کی تہ تک پہنچنا مشکل ہے۔ اگر طاقت اور فرصت میرا ساتھ دیتی تو اپنی چھوٹی سی حیثیت کے مطابق میں بھی کچھ لکھتا۔ اب یہ اہلِ قلم کے سپرد ہے کہ وہ ایک ایک صفت کو پھیلا کر دنیا کو یہ بتا دیں کہ یہ صفت ان میں کس درجہ کی تھی اور تمام دنیا کو جو حصہ اس میں سے ملا ہے وہ کتنا ہے۔

اہلِ ایمان سے یہ درخواست ہے کہ وہ باریک بینی اور موشگافیوں سے قطع نظر کر کے ان صفات میں سے اگر کوئی ذرہ اپنی زندگی میں پیدا کر سکتے ہیں تو اس کی کوشش کریں، یعنی دل میں تقویٰ اور نیکی، علم میں طول و عرض اور پھیلاؤ کے بجائے اختصار مگر گہرائی، تصنع اور تکلف سے احتراز اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے مایوسی ہے تو اس کی بجائے آپ کی ایک ایک سنّت کا دل و جان سے والہانہ جنون شاید ان صفات کی کوئی جھلک ہم میں پیدا کر دے، تو جس ربّ العزت نے اپنی تمام مخلوق میں سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو پہلے چُنا تھا وہ آخر امت میں سے ہم ناقص در ناقص اور نالائق امتیوں کو اس شرف کے لیے چُن لے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

(بشکریہ "سلوک و احسان" کراچی)

مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ العالی

(قسط نمبر ۵)

قاضی شمس الدین صاحب درویش لکھتے ہیں:

یزید کی ولی عہدی

"اور پھر یزید کی ولی عہدی کی بیعت تو سوائے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے امت کی اکثریت یزید کی بیعت پر متفق ہو گئی تھی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ ولم یبق فی المخالفۃ لھذا العھد الذی اتفق علیہ الجمھور الا ابن الزبیرؓ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۷۶) (ترجمہ) اور یزید کی اس ولی عہدی کی بیعت پر جمہور امت متفق ہو گئے صرف ایک ابن زبیرؓ ہی مخالف رہے۔" امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ فاتسقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد (ابن کثیر ص ۸۰ جلد ۸) یزید کی ولی عہدی کی بیعت تمام شہروں میں مسلسل ہوئی۔" پھر ۶۰ھ میں سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت خلافت پوری ملت اسلامیہ نے دوبارہ کرلی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور سیدنا عبداللہؓ بن عباس حسین بن علی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے۔ لیکن ان میں سے سیدنا ابن عمرؓ اور سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ نے بھی یزید کی بیعت کرلی اور سیدنا حسینؓ اور سیدنا ابن زبیر باقی رہ گئے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں فلما مات معاویۃؓ سنۃ ستین بویع لیزید بایع ابن عمر وابن عباس وصمم علی المخالفۃ الحسین وابن الزبیر (ج ۸ ص ۱۵۱) الخ علاوہ ازیں حکیم محمود ظفر صاحب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فضائل کے ضمن میں لکھتے ہیں، ۶۴ھ میں یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد آپ نے خلافت کا دعویٰ کیا اگرچہ آپ پہلے ہی یزید کی خلافت سے خوش نہ تھے اور آپ امت مسلمہ میں تنہا شخصیت ہیں جنہوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ (مقدمہ ابن خلدون صـ۲۴۱) حالانکہ سیدنا حسین بن علیؓ بھی یزید کی بیعت پر راضی تھے۔" (البدایہ والنہایہ جلد کتاب الشافی از شریف المرتضیٰ شیعی صـ۱۷۰) یزید بن معاویہؓ کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں کیونکہ امت مسلمہ یزید کی خلافت پر مجتمع تھی لیکن اس کی وفات

کے بعد جب آپ نے دعویٰ خلافت کیا تو اس وقت کے اساطین امت نے ان کی خلافت کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی۔ چنانچہ سیدنا محمد بن حنفیہ، سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس وغیرہ نے باوجود ان کے اصرار کے ان کی بیعت نہ کی۔ ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں شکست کھائی اور شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر ۷۲ سال تھی۔ مدتِ خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک ۹ برس (تہذیب التہذیب جلد ۵ صہ ۲۱۳) الخ (سیدنا معاویہؓ۔ شخصیت اور کردار جلد دوم حاشیہ ۱۷۳)

تلبیس و خیانت

علامہ ابن خلدون کی عبارت یزید کی ولی عہدی کے بارے میں مقدمہ ابن خلدون سے قاضی شمس الدین صاحب نے جو پیش کی ہے اور ترجمہ بھی لکھ دیا ہے حکیم محمود صاحب ظفر نے عبارت نہیں لکھی۔ صرف مقدمہ ابن خلدون کا صفحہ لکھ دیا ہے لیکن میرے پاس جو مقدمہ ابن خلدون ہے اس کے صفحہ ۲۱۱ پر تو مذکورہ عبارت ہے لیکن اس کا مطلب وہ نہیں جو یہ دونوں سمجھا لکھ رہے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ ولی عہد مقرر کرنے یا نہ کرنے پر جو اختلاف ہوا تو باقی حضرات نے تو تسلیم کر لیا کہ خلیفہ کو اپنی حیات میں کسی کو ولی عہد بنانا جائز ہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ آخر وقت تک نفس ولی عہدی کے خلاف رہے ان کے نزدیک کسی کو اپنی زندگی میں ولی عہد بنانا جائز ہی نہ تھا اور علامہ ابن خلدون نے یہاں ولی عہد کے جواز پر ہی دلائل دیے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے الفصل الثلاثون میں "فی ولایة العہد" کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس کے لیے دلیل یہ دی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنی حیات میں حضرت عمر فاروقؓ کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وقد عُرِفَ ذالك من الشرع باجماع الامة على جوازه وانعقاده اذ وقع بعهد ابى بكر الصديق رضى الله عنه لِعُمَر بِحَضرِ من الصحابة واجازوه واوجبوا على انفسهم به طاعة عمر رضى الله عنه وعنهم وكذالك عهد عمر فى الشورى الى الستة بقية العشرة وجعل لهم ان يختاروا المسلمين الخ (مقدمہ ابن خلدون صہ ۲۱۱) شریعت مطہرہ میں اجماع سے ولی عہدی کا جواز و انعقاد ثابت ہے کیونکہ صحابہؓ کی موجودگی میں صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظم کو ولی عہد مقرر فرمایا اور اسے تمام صحابہؓ نے بالاتفاق منظور فرمایا اور سب نے فاروق اعظمؓ کی اطاعت اپنے اوپر واجب و لازم سمجھی۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ نے عشرہ مبشرہ میں سے باقی رہ

جانے والے چھ صحابہؓ کو مجلسِ شوریٰ کے لیے بطور ارکان کے نامزد فرمایا اور انہیں امام چننے کا اختیار سونپ دیا الخ (مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص۲۶) اسی ولی عہدی کے جواز کے سلسلہ میں ابن خلدون لکھتے ہیں:

اس سلسلے میں امام پر بدگمانی روا نہیں اگرچہ وہ اپنے باپ یا بیٹے ہی کو ولی عہد بنا جائے کیونکہ جب امام کی زندگی میں مسلمانوں کے تمام کاموں پر قابلِ اعتماد تسلیم کر لیا گیا ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ کوئی ایسا جرم کر کے جو قابلِ اعتراض ہو فوت نہ ہوگا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بیٹے اور باپ کی ولی عہدی کے سلسلے میں امام پر بدگمانی کرتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو صرف بیٹے کی ولی عہدی پر بدگمانی کرتے ہیں حالانکہ کسی صورت میں بھی بدگمانی نہیں پیدا ہونی چاہیے خصوصاً جب کہ ولی عہدی کسی مصلحت کی یا کسی فساد سے بچنے کی غرض سے عمل میں لائی گئی ہو۔ ایسی صورت میں تو بدگمانی کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ عہد معاویہؓ میں ان کے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا یا گیا کیونکہ معاویہؓ کا یہ فعل لوگوں کے اتفاق کی وجہ سے اس معاملہ میں ان کے لیے حجت تھا۔ حضرت معاویہؓ نے دوسروں کو چھوڑ کر یزید کو مصلحت کے ماتحت ولی عہد چنا تھا کیونکہ بنو امیہ کے ارباب حل وعقد کا یزید کی ولی عہدی پر اتفاق تھا کیونکہ اس وقت بنو امیہ اپنے سوا کسی اور کے لیے خلافت نہیں چاہتے تھے۔ بنو امیہ قریش تھے۔ انہیں تمام مسلمانوں کی حمایت حاصل تھی اور یہی ارباب اقتدار تھے اس لیے انہی میں سے ولی عہد چنا گیا اور جو بظاہر خلافت کے اہل تھے انہیں نظر انداز کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے اتفاق واتحاد میں جو شارع کے نزدیک انتہائی اہم ہے خلل نہ آئے اور ملک میں انتشار نہ پھیلے۔ حضرت معاویہؓ کے ساتھ یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کیونکہ آپ کی عدالت اور صحبتِ رسالت کا یہی تقاضا ہے الخ

(مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص۲۷)

یزید کو ولی عہد بنانے پر جو لوگ حضرت معاویہؓ سے بدگمانی رکھتے ہیں علامہ ابن خلدون اس کا جواب دے رہے ہیں کہ اس وقت کے حالات کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد مقرر کیا تھا حالانکہ اس وقت جلیل القدر صحابہ کرامؓ بھی موجود تھے اور اسی سلسلے میں اس کے بعد ابن خلدون نے یہ لکھا ہے۔ ولم یبق فی المخالفۃ لھذہ العھد الذی اتفق علیہ الجمھور الا ابن الزبیر۔ اس

ولی عہدی کی بیعت پر جمہور کا اتفاق تھا صرف عبد اللہ بن زبیرؓ نے مخالفت کی تھی"۔
(مقدمہ ابن خلدون مترجم حصہ دوم ص ۲۸)

اس سے ثابت ہوا کہ جمہور نے ولی عہدی کے جواز کو تسلیم کر لیا لیکن حضرت ابن زبیرؓ آخر تک ولی عہدی کے عدم جواز پر قائم رہے۔ غالباً حکیم صاحب موصوف نے ابن خلدون کی زیر بحث عبارت کا مطلب سمجھ لیا تھا اس لیے عبارت نہیں لکھی لیکن قاضی درویش صاحب نے ایک سطر دیکھ لی لیکن سیاق و سباق کو نہ دیکھا یا تلبیس و علمی خیانت سے کام لیا۔ واللہ اعلم

(۲) ممکن ہے اب بھی قاضی درویش صاحب ابن خلدون کی مذکورہ عبارت کے اس مطلب پر اصرار کریں کہ حضرت ابن زبیرؓ کے سوا تمام صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو ہم علامہ ابن خلدون ہی کی عبارت سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیرؓ کے علاوہ حسب ذیل تین جلیل القدر صحابہؓ نے بھی یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جو وصیت فرمائی تھی اس میں یہ بھی فرمایا کہ: وانی لا اخاف علیک ان ینازعک ھذا الامر الذی استتب لک الا اربعۃ نفر من قریش الحسین بن علی وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن زبیر وعبد الرحمن بن ابی بکر الخ (تاریخ ابن خلدون جلد ۳ ص ۱۸) تجھ کو جو (بطور ولی عہد) یہ سلطنت سپرد کی گئی ہے مجھ کو صرف قریش کے ان چار اشخاص کی طرف سے تجھ سے منازعت کرنے کا ڈر ہے یعنی حضرت حسین بن علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم) فرمائیے اگر حضرت ابن زبیرؓ کے سوا باقی ان تین حضرات نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو پھر حضرت امیر معاویہؓ کو ان کی مخالفت کا کیونکر خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

(۳) نیز تاریخ ابن خلدون جلد ثالث ص ۱۹ پر بعنوان "بیعت یزید" لکھتے ہیں: ولم یکن ھمہ الا بیعۃ النفر الذین ابوا علی معاویۃ بیعتہ فکتب الی الولید بموت معاویۃ وان یاخذ حسینا وابن عمر وابن الزبیر بالبیعۃ من غیر رخصۃ۔ یزید کو اپنی چند اشخاص سے بیعت لینے کی فکر لاحق تھی جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے یزید کی ولی عہدی کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی اطلاع دیتے ہوئے والی مدینہ ولید بن عتبہ کو یہ بھی لکھا کہ وہ بغیر کسی مہلت کے حضرت حسین، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے بیعت لے لے"۔

ولید نے مروان سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو مروان نے دفاشار علیہ ان یحضرھم توتتہ فان بایعوا والا قتلتھم قبل ان یعلموا بموت معاویۃ الخ۔ پھر مروان نے اس کو یہ مشورہ دیا کہ ان کو فوراً بلاؤ۔ اگر وہ بعیت کرلیں تو ٹھیک ورنہ ان کو حضرت معاویہؓ کی وفات کا علم ہونے سے پہلے ہی قتل کردو۔" اس سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ان حضرات صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بعیت نہیں کی تھی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یزید کی بعیت خلافت کے لیے جبر کیا جاتا تھا۔ قاضی درویش صاحب ہی فرمائیے کہ کیا ان جلیل القدر صحابہ کرامؓ کا قتل محض اس لیے جائز تھا کہ وہ یزید کی بعیت خلافت پر راضی نہیں تھے؟ حکیم محمود احمد ظفر ہی فرمائیں کہ کیا یزید کی بعیت خلافت کی خصوصیت یہی تھی جس کے متعلق آپ نے یہاں تک مبالغہ آرائی فرمائی ہے کہ: اس معاملہ میں یزید بن معاویہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ جیسا استصواب رائے ان کی خلافت پر ہوا اس سے قبل کبھی نہیں ہوا" (سیدنا معاویہؓ جلد دوم ص ۱۷۰) اور پھر حاشیہ ص ۱۷۱ میں مزید وضاحت کرتے ہیں کہ:۔ گویا یزید بن معاویہؓ کی بعیت لوگوں نے بغیر کسی اختلاف کے کی اور اس اہتمام سے یہ بعیت منعقد ہوئی کہ کسی ماقبل خلیفہ کی بعیت آج تک اس اہتمام سے نہیں ہوئی الخ

یہ ہے حکیم صاحب موصوف کا یزید کی خلافت اور اس کی مقبولیت کے بارے میں عقیدہ کہ قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین کی خلافت راشدہ سے بھی اس کی خلافت کی مقبولیت بڑھ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت پر صحابہ کا اجماع ہوا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے بھی آخر رجوع کرلیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت پر بھی اجماع ہوا۔ البتہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت میں نزاع واختلاف واقع ہوا۔ حکیم صاحب یہ بھی تو سوچئے کہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ سے یزید کی خلافت کو کیا نسبت ؏ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مذکورہ چار جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے یزید کی ولی عہدی سے اختلاف کیا اور پھر حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے آخر تک یزید کی خلافت تسلیم نہیں کی اور پھر معرکہ کربلا، واقعہ حرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حرم مکہ میں المناک شہادت۔ بیت اللہ پر منجنیقوں سے حملہ کیا۔ یہ سب واقعات ہائلہ یزید کی مقبولیت کی دلیل ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

یزید کی صحابہؓ پر برتری

حکیم صاحب موصوف حُبِ یزید سے مغلوب ہو کر لکھتے ہیں:

اگرچہ یہ سب صفات وخصائل ہونے کے باوجود بھی یزید اہلیت

سے محروم تھے تو پھر میں کہوں گا کہ کسی میں بھی اہلیت نہیں تھی لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں کیا بنی کوئی ایسا بزرگ جس میں یزید سے زیادہ کاروبارِ حکومت چلانے کی اہلیت ہو اس لیے کہ اس وقت صحابہ ان کی اولاد میں سے جتنے لوگ بھی موجود تھے ان میں سے ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبارِ حکومت میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو جتنے یزید ماہر تھے الخ (ایضاً سیدنا معاویہؓ شخصیت اور کردار جلد اول ص ۴۹۱)

حضرت ابن زبیرؓ کی تنقیص حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق حکیم صاحب کی پہلے یہ عبارت درج کی گئی ہے کہ: یزید بن معاویہؓ کی زندگی میں تو آپ کو حوصلہ نہ ہوا کہ اپنی خلافت کا دعویٰ کریں ——— اس وقت کے اساطین امت نے ان کی خلافت کو بازیچۂ اطفال سے زیادہ حیثیت نہ دی الخ (سیدنا معاویہ جلد اول حاشیہ ص ۱۴۳) حکیم صاحب ایک طرف تو یہ لکھتے ہیں کہ: پھر وہ لوگ جن کو امت مسلمہ صحابہ کے نام سے یاد کرتی ہے نہ تو اتنے پست ہمت تھے کہ صرف ایک دھمکی سے کلمہ حق کہنے سے ڈر جائیں الخ (ایضاً ص ۱۴۲) اور ادھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ یزید کی زندگی میں ان کو دعویٰ خلافت کا حوصلہ نہ ہوا اور ان کی شجاعت کے متعلق بھی لکھتے ہیں: اپنے والد ماجد کی طرح بچپن ہی سے بڑے شجاع اور بہادر تھے پھر لکھتے ہیں: جنگ جمل میں آپ سیدنا علیؓ کے خلاف اپنی خالہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھے اور بقول ابن حجرؒ اس قدر بہادری اور شجاعت سے لڑے کہ جسم پر چالیس سے زیادہ زخم آئے۔ (اصابہ جلد ۴ ص ۷۰) فرمایئے جب حضرت ابن زبیرؓ اتنے بہادر تھے تو یزید کے مقابلہ میں پست حوصلہ کیسے بن گئے۔ کیا وہ لا یخافون لومۃ لائم کا مصداق نہ تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دَور دَورِ فتنہ تھا اور صحابہ کرامؓ نے دَورِ فتنہ کی احادیث کی روشنی میں اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی مدتِ خلافت سات یا نو سال حکیم صاحب نے خود تسلیم کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے سلسلے میں لکھتے ہیں: وبویع لہ بالخلافۃ عقیب موت یزید بن معاویۃ سنۃ (۶۴) وقیل سنۃ (۶۵ھ) وغلب علی الحجاز والعراقین والیمن ومصر واکثر الشام وکانت ولایتہ تسع سنین وقتلہ الحجاج بن یوسف فی ایام عبدالملک بن مروان سنۃ (۷۳) فی قول الاکثرین وقیل سنۃ (۷۲) (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۱۴) - اور یزید بن معاویہؓ کی موت کے بعد ۶۴ھ یا ۶۵ھ میں آپ کی خلافت کی بیعت لی گئی اور آپ نے حجاز عراق کوفہ و بصرہ، یمن، مصر اور شام کے

اکثر حصہ پر غلبہ پالیا اور آپ کی مدتِ خلافت نو سال تھی اور آپ کو اکثر قول کے مطابق ۷۳ھ میں اور بعض کے نزدیک ۷۲ھ میں عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف نے قتل کیا۔"

حکیم صاحب نے اپنی کتاب جلد دوم حاشیہ ص ۱۷۳ پر لکھا ہے کہ: مدت خلافت ۷ برس تھی اور بعض کے نزدیک ۹ برس۔" انہوں نے تہذیب التہذیب کا وہی صفحہ ۲۱۳ لکھا ہے اور یہی صفحہ میری تہذیب التہذیب میں ہے جس میں ابن حجر نے مدت خلافت کے لیے ایک ہی قول نو برس کا لکھا ہے لیکن حکیم صاحب نے پہلا قول سات سال کا لکھا ہے اور پھر یہ لکھا ہے کہ۔ بعض کے نزدیک ۹ برس۔" حالانکہ اگر آپ کا سن خلافت ۶۴ھ ہے جیسا کہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے اور سن شہادت ۷۳ھ ہو جو اکثر کا قول ہے تو مدت خلافت ۹ سال بنتی ہے اور دوسرا قول سن بیعت خلافت ۶۵ھ بھی ضعیف ہے اور سن شہادت ۷۲ھ کا قول بھی ضعیف ہے جس کے حساب سے مدتِ خلافت ۷ برس بنتی ہے لیکن حکیم صاحب نے اس کے برعکس پہلے مدتِ خلافت ۷ برس لکھی ہے اور پھر بعض کے نزدیک ۹ سال ضعیف قول کے اعتبار سے لکھی ہے۔ بہرحال مدتِ خلافت جتنی بھی ہو آپ کا غلبہ ثابت ہو گیا۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس کے بعد پھر لکھتے ہیں: ومناقب عبداللہ واخبارہ کثیرۃ وخلافتہ صحیحۃ خرج علیہ مروان بعد ان بویع لہ فی الآفاق کلھا الا بعض قری الشام (ایضاً تہذیب التہذیب ص ۲۱۴) اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے مناقب اور اخبار بہت زیادہ ہیں اور آپ کی خلافت صحیح ہے۔ آپ کے خلاف مروان نے اس وقت خروج کیا جب آپ کی خلافت کے لیے سوائے بعض شام کے دیہات کے مملکت اسلامیہ کے تمام اطراف میں بیعت ہو چکی تھی۔"

اہم سوال

ہم حکیم ظفر صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت اتنے وسیع و عریض علاقوں تک قائم ہو چکی تھی اور حافظ ابن حجر محدثؒ آپ کی خلافت کو صحیح بھی قرار دے رہے ہیں تو پھر ان کی اتنی عظیم الشان خلافت کو بازیچۂ اطفال (بچوں کا کھیل) قرار دینا کیا ایک جلیل القدر صحابیؓ کی خلافت اور ان کی شخصیت کی صریح توہین نہیں ہے؟

(۲) حامیانِ یزید عموماً صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کی آیت اولٰئک ھم الراشدون سے حضرت امیر معاویہؓ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ قرار دیتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ تسلیم نہیں کرتے؟ کیا ان کے نزدیک حضرت ابن زبیرؓ صحابی نہیں

ہیں۔ یا صحابی تو ہیں لیکن یزید کی محبت کی وجہ سے آپ کی خلافت کو خلافتِ راشدہ قرار دینا ان کو منظور نہیں؟ سپاہ صحابہؓ کے موجودہ سربراہ مولوی ضیاء الرحمٰن فاروقی بھی اپنی خلافت راشدہ جنتری میں پہلی صدی میں سے صرف چھ خلفاء کے نام لکھتے ہیں لیکن صحابہ کرام میں سے ساتویں خلیفہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام نہیں لکھتے جن کی مدتِ خلافت ۹ سال ہے۔ ایں چہ بوالعجبی است۔

اور مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب نے خلافتِ راشدہ جنتری ۱۹۹۰ء میں بھی حکیم محمود احمد صاحب ظفر موصوف کا ایک مضمون بعنوان حضرت معاویہؓ و خلافت راشدہ شائع کیا ہے۔ کیا یہ وہی حکیم صاحب نہیں جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو بچوں کا کھیل قرار دیتے ہیں۔ حکیم صاحب کے اس مضمون کے متعلق ادارہ کی طرف سے یہ نوٹ لکھا گیا ہے کہ: ہمارا ادارہ حضرت معاویہؓ کے متعلق ان کی نادرہ تحقیقات اور اعلیٰ معلومات کی فراہمی پر جہاں انہیں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے وہاں یزید کے متعلق ان کے موقف سے دیانت دارانہ اختلاف رکھتا ہے۔" اگر ادارہ کو یزید کے متعلق دیانتدارانہ اختلاف ہے تو ان پر لازم ہے کہ اپنا دیانت دارانہ اختلاف ظاہر کریں اور حکیم صاحب کے غلط مؤقف کی بلاخوف لومۃ لائم تردید کریں۔ باقی حکیم صاحب کی جو نادر تحقیقات ہیں وہ ادارہ کی سمجھ میں آئی ہوں گی لیکن اہلِ حق کے نزدیک وہ تحقیقات عموماً تلبیسات پر مبنی ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ حسبِ فرصت حکیم صاحب کے مزعومات پر مدلل تبصرہ کیا جائے گا۔ واللہ الموفق۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا اختلاف

علامہ ابن خلدون کی وہ عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی سے ان چار حضرات نے اختلاف کیا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر، حضرت حسین بن علی، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔ اور حکیم ظفر صاحب موصوف بھی ابن خلدون کو ثقہ مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بلکہ ابن خلدون جیسے ثقہ اور نقاد مؤرخ نے تو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زہر خورانی کا واقعہ شیعہ حضرات کا گھڑا ہوا ہے الخ (سیدنا معاویہؓ جلد دوم ص۶۲) ابن خلدون کے علاوہ تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ۔ زیاد جب مر گیا تو (حضرت) معاویہؓ نے ایک تحریر نکالی اور لوگوں کے سامنے پڑھی۔ اس میں یزید کے جانشین کرنے کا مضمون تھا کہ اگر (حضرت) معاویہؓ کی موت واقع ہو تو یزید ولی عہد ہوگا۔ یہ سُن کر پانچ شخصوں کے سوا اور سب لوگ یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے۔

(حضرت) حسین بن علی (حضرت) ابن عمر (حضرت) ابن زبیر (حضرت) عبدالرحمن بن ابی بکر (حضرت) ابن عباس (رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی" (تاریخ طبری مترجم جلد چہارم ص۱۴۲) مطبوعہ نفیس اکیڈمی) ان کے علاوہ حافظ ابن کثیرؒ محدث و مورخ بھی لکھتے ہیں (جو قاضی شمس الدین صاحب کے بھی ثقہ مؤرخ ہیں)۔ ولما اخذت البیعۃ لیزید فی حیاۃ معاویۃ کان الحسین ممن امتنع من مبایعتہ ھو وابن الزبیر وعبدالرحمن بن ابی بکر وابن عمر وابن عباس ثم مات ابن ابی بکر وھو مصمم علی ذلک فلما مات معاویۃ سنۃ ستین وبویع لیزید بایع ابن عمر وابن عباس وصمم علی المخالفۃ الحسین وابن الزبیر الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۵۱)

جب حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید سے بیعت کی گئی تو حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبدالرحمن بن حضرت ابوبکر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) نے بیعت نہیں کی اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن وفات پا گئے اور وہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہ کرنے پر قائم تھے۔ اور جب ۶۰ھ میں حضرت معاویہؓ وفات پا گئے اور یزید کی بیعت کی گئی تو حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے بیعت کر لی اور حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر اس کی مخالفت پر قائم رہے۔ یہ ہے یزید کی ولی عہدی کی مقبولیت کا حال کہ ان پانچ جلیل القدر صحابہؓ نے بیعت نہیں کی۔ اب ابن خلدون، طبری اور حافظ ابن کثیر کی مذکورہ تصریحات کے باوجود حکیم محمود احمد صاحب ظفر اور قاضی شمس الدین صاحب درویش کا یہ اصرار کہ ولی عہدی کی مخالفت صرف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کی تھی اس کو تلبیس اور علمی خیانت سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔ اور قاضی درویش صاحب حافظ ابن کثیرؒ کی مذکورہ عبارت اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ:

"پھر ۶۰ھ میں سیدنا معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی بیعت خلافت پوری ملت اسلامیہ نے دوبارہ کر لی اور حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، حسین بن علی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے لیکن ان میں سے سیدنا عبداللہ بن عمر اور سیدنا عبداللہ بن عباس نے بھی یزید کی بیعت کر لی اور سیدنا حسین اور سیدنا ابن زبیرؓ باقی رہ گئے۔" (النقیب ص۴۲ ماہ جون ۱۹۹۰ء)

درویش صاحب نے ابن کثیرؒ کی عبارت پیش کرنے میں تلبیس سے کام لیا ہے۔ میں نے قبل ازیں

ابن کثیرؒ کی عربی عبارت مع ترجمہ لکھ دی ہے۔ ابن کثیرؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ ان پانچ صحابہؓ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی لیکن درویش صاحب یزید کی خلافت کی بیعت کے سلسلہ میں یہ نام لکھ رہے ہیں۔

(۲) دوسری خیانت یہ کی ہے کہ یہاں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا نام نہیں لکھا حالانکہ ابن کثیرؒ نے ان کا نام بھی لکھا ہے۔

(۳) اور پھر خود بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت حسینؓ اور حضرت ابن زبیرؓ نے خلافت کی بیعت نہیں کی۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آپ کے نزدیک حضرت حسین نے ولی عہدی کی بیعت کر لی تھی تو پھر یزید کی خلافت کی بیعت کرنے میں کونسا امر مانع تھا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ درویش صاحب کو درپیش ہے۔ کاش کہ وہ امر حق کو مان لیتے تو یوں .... نہ ہوتی۔ واللہ الھادی

حکیم صاحب کی ایک اور تلبیس

بخاری شریف کتاب التفسیر سورہ حٰمٓ الاحقاف میں ایک حدیث منقول ہے جس میں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرا اور جناب مروان کے مابین منازعت کا ذکر ہے۔ چنانچہ مولوی عظیم الدین نے اس حدیث کا حسبِ ذیل ترجمہ لکھا ہے :

"سیدنا مروان نے تقریر کرتے ہوئے امیر یزید بن معاویہؓ کا ذکر کیا کہ ان کے والد کے بعد ان سے بیعت کی جائے۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے کچھ کہا تو حضرت مروان نے کہا کہ ذرا ان کو پکڑلو۔ وہ سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں چلے گئے اس لیے لوگ انہیں پکڑ نہ سکے۔ حضرت مروان نے کہا کہ انہی جیسے لوگوں کے بارے میں اللہ نے یہ آیت اتاری۔ والذی قال یعنی وہ شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ افسوس ہے تم پر تم مجھے دھمکی دیتے ہو۔ سیدہ عائشہؓ نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق خصوصیت سے قرآن مجید میں میری پاک دامنی کی ہی آیات نازل فرمائی ہیں۔" (حیات سیدنا یزید ص ۱۲۶)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی منوانے کے لیے مروان وغیرہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ اگر وہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ میں پناہ نہ لیتے تو خدا جانے ان پر کتنا تشدد کیا جاتا۔ میں نے اس سلسلے میں مولوی عظیم الدین کی پیش کردہ دو حدیثوں پر مفصل بحث کر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) ص ۲۲۵ تا ص ۲۵۳) مولوی

علیم الدین کراچی والے مشہور پختہ یزیدی ہیں لیکن انہوں نے بھی یہ تسلیم کرلیا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما موجود تھے لیکن حکیم محمود احمد ظفر صاحب موصوف اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"ہمارے خیال میں بخاری کی اس روایت میں بھی راوی سے سہو ہوگیا ہے۔ سیدنا عبدالرحمٰن کی طرف جو بیان منسوب ہے کہ انہوں نے اٹھ کر سیدنا مروان کی تجویز پر اعتراض کیا غلط ہے کیونکہ روایات بتاتی ہیں کہ یزید کی ولی عہدی کا واقعہ ۵۶ھ میں پیش آیا تھا۔ (طبری جلد ۴ ص ۲۲۴) مسعودی نے تو ۵۹ھ لکھا ہے (مروج الذہب ج ۳ ص ۳۶-۳۷) اور سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ ۵۳ھ میں اس دار فانی سے انتقال فرما چکے تھے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ ابن قتیبہ فرماتے ہیں: مات فجاءۃ سنۃ ثلث وخمسین بجبل بقرب مکہ۔ سیدنا عبدالرحمٰن کی ۵۳ھ میں مکہ کے قریب ایک پہاڑ پر اچانک وفات ہوگئی (المعارف ص ۲۶) امام ابو عبداللہ محمد نیشاپوری صاحب ان کی وفات کا ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: مات عبدالرحمٰن بن ابی بکر فجاءۃ وکنیتہ ابو عبداللہ ومات سنۃ ثلث وخمسین۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اچانک فوت ہوگئے ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی اور سن وفات ۵۳ھ تھا۔" (مستدرک جلد ۳ ص ۴۷۵) علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے سنِ وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: توفی عبدالرحمٰن بحبشی وھو اثنا عشر میلا من مکۃ فحمل الی مکۃ فدفن فیہا وقال ابن سعد وغیر واحد کان ذلک سنۃ ثلاث وخمسین۔" سیدنا عبدالرحمٰن کی وفات حبشی کے مقام پر جو مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ہوئی۔ ان کی لاش کو مکہ لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا۔ ابن سعد اور بہت سے دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی۔" (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۷) لیکن اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ سیدنا عبدالرحمٰنؓ نے اعتراض کیا تھا وہ اعتراض وہ نہ تھا جس کو سیدنا عبدالرحمٰن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔" (سیدنا معاویہؓ جلد دوم حاشیہ ص ۱۶۸-۱۶۹)

الجواب: (۱) جب صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰنؓ موجود تھے اور ابن خلدون، طبری اور ابن کثیر سے بھی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت نہیں کی تھی تو پھر حکیم ظفر صاحب موصوف خواہ مخواہ کیوں اس کا

انکار کر رہے ہیں؟

(۳) گو حضرت عبدالرحمٰنؓ کے سالِ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ بعض تاریخی کتب کے حوالے حکیم صاحب نے پیش کیے ہیں اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی یہ اختلافی روایت پیش کی ہے لیکن انہوں نے راجح قول یہ پیش کیا ہے جس کو حکیم صاحب بالکل نظر انداز کر گئے ہیں کہ: وقال ابوزرعۃ الدمشقی توفی بعد منصرف معاویۃ من المدینۃ فی قدمتہ التی قدم فیہا لاخذ البیعۃ لیزید وتوفیت عائشۃ بعد ذلک بیسیر سنۃ (۵۹ھ) — وأرخ ابن حبان وفاتہ تبعاً للبخاری سنۃ (۵۸ھ) (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۴۷) :- اور ابو زرعہ دمشقیؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت معاویہؓ یزید کی بیعت لینے کے لیے مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت معاویہؓ کی وہاں سے واپسی پر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی وفات ہوئی اور حضرت عائشہؓ نے آپ سے تھوڑی مدت بعد ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اور ابن حبانؒ نے امام بخاریؒ کی پیروی میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کی تاریخ وفات ۵۸ھ لکھی ہے۔"

(۴) حافظ ابن کثیرؒ ۵۸ھ کے واقعات میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی وفات کے متعلق لکھتے ہیں: وکانت وفاتہ فی ھذا العام فی قول کثیر من علماء التاریخ ولیقال ان عبدالرحمٰن توفی سنۃ ثلاث وخمسین قالہ الواقدی وکاتبہ محمد بن سعد وابو عبید وغیر واحد وقیل سنۃ اربع وخمسین فاللہ اعلم (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۸۹)۔ بہت سے علمائے تاریخ کا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی سال وفات ۵۳ھ ہے اور یہ واقدی کا قول ہے اور ابن سعد اور ابو عبید اور ایک سے زیادہ کا یہی قول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کا سالِ وفات ۵۴ھ فاللہ اعلم ابن کثیرؒ کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ اکثر مورخین کے نزدیک آپ کی تاریخ وفات ۵۸ھ ہی ہے اور دوسرے اقوال ضعیف ہیں لیکن حکیم صاحب کی فن کاری ملاحظہ فرمائیں کہ تہذیب التہذیب کی جس عبارت سے محدث ابوزرعہ دمشقی۔ ابن حبان اور امام بخاری کے اقوال ۵۸ھ کے ثابت ہوتے تھے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ حکیم صاحب کی تصانیف میں ان کی نادرہ تحقیقات اسی قسم کی ہیں۔ (جاری ہے)

قارئین حق چار یار توجہ فرمائیں

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نام، مکمل پتہ اور خریداری نمبر صاف ستھرا اور خوشخط تحریر فرمائیں

(ادارہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

عظمتوں کا نشاں، حضرت عائشہ رضہ — قدسیوں کی زباں حضرت عائشہ رضہ

عورتوں پر فضیلت ہے حاصل انہیں — مومنوں کی ہیں ماں حضرت عائشہ رضہ

جو بنا آخری خواب گاہِ نبی ﷺ — آپ کا ہے مکاں حضرت عائشہ رضہ

بدر میں آپ رضہ کی اوڑھنی تھی عَلَم — نازشِ مومناں حضرت عائشہ رضہ

آپ رضہ ہیں پشت در پشت اصحاب میں — آپ رضہ جیسا کہاں حضرت عائشہ رضہ

دے رہا ہے شہادت کلامِ خدا — یعنی عفت نشاں حضرت عائشہ رضہ

والدہ کو لقب حورِ جنت ملا — ایسی ماں ہے کہاں حضرت عائشہ رضہ

محسنِ دین و دنیا ہے تاریخ میں — آپ رضہ کا خانداں حضرت عائشہ رضہ

خود زبانِ پیمبر "حمیرا" کہے — شانِ باغِ جناں حضرت عائشہ رضہ

اپنے منہ سے چبا کر پیمبر ﷺ کو دی — ایک مسواک ہاں حضرت عائشہ رضہ

کیوں نہ تقلید اُن رضہ کی مسلماں کریں — روشنی کا نشاں حضرت عائشہ رضہ

قدسیوں کے لیے سجدہ گر بن گیا — آپ رضہ کا آستاں حضرت عائشہ رضہ

آپ رضہ کا گھر ہے جنت سے بڑھ کر قمر

زینتِ دو جہاں حضرت عائشہ رضہ

قمر حجازی

کوٹ فتح جمال اوکاڑہ

قسط ۱۸

داستانِ خونچکاں

مولانا عبد المعبود صاحب

مکہ کے افق پر ابرِ کرم سایہ فگن ہے۔ شرک وکفر کے دشت وصحرا اور وادی القری کے ذرا
انسانی کے نخلستان پر بارانِ رحمت کا نزول شروع ہوتا ہے۔ چشمِ فلک اس عبرت آموز منظر پر حیرت زدہ
اور کروبیاں عالمِ استعجاب میں ہیں کہ بارانِ رحمت بلا امتیاز یکساں طور پر فیض بار ہے لیکن تقسیمِ ازلی
کے مقدر نکھار رہی ہے۔ یہ تمثیل اس واقعہ کی جیتی جاگتی تصویر اور اس حقیقت کی منظر کشی میں لاجوا
ہے۔ اللہ جل جلالہ کا فرمانِ ذی شان ہے:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ
بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ
لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَٰلِكَ
نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ
(الاعراف ۵۸)

اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے
اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے
اس میں نہیں نکلتا مگر ناقص۔ یوں پھیر پھیر
کر بتلاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے
لوگوں کو۔

جن کی سرشت میں ایمان کی دولت تھی وہ بارانِ رحمت سے اسلام کی لازوال نعمت سے سرفراز
ہوئے اور کونین میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ومقبول بندے ہونے کے قابلِ رشک اعزاز
سے نوازے گئے لیکن جن کے دلوں میں کفر وشرک رچا بسا تھا اور کفریہ اعمال سے دل زنگ آلود ہو
چکے تھے رحمت کی اس موسلا دھار بارش سے بھی ان کے دل کی کھیتی میں تخمِ توحید روئیدگی سے محروم
ہی رہے اور وہ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا کا مصداق ٹھہرے ؎

گھٹا اک پہاڑی سے بطحا کے اٹھی
پڑی چار سو یک بیک دھوم جس کی
کڑک اور دمک دور دور اس کی پہنچی
جو ٹیگس پہ گرجی تو گنگا پہ برسی

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی ساری کھیتی خدا کی

مقداد بن عمروؓ

مقداد نام، ابو الاسود کنیت، عمرو کندی کے لختِ جگر تھے۔ موصوف "بہراء" کے رہنے والے تھے۔ ان کے خاندان کے ایک آدمی نے کسی ہمسایہ قبیلہ میں خونریزی کی تھی، اس لیے انتقام کے خوف سے "کندہ" چلے آئے تھے لیکن یہاں بھی طمانیت نصیب نہ ہو سکی اور یہی المیہ کندہ میں بھی پیش آیا جس کے باعث مکہ آکر آباد ہوئے اور اسود بن عبد یغوث کے خاندان سے حلیفانہ تعلق پیدا کر لیا جس نے محبت سے "مقداد" کو اپنا متبنٰی بنا لیا تھا۔ چنانچہ اپنے والد عمرو کے بجائے اسود ہی کے انتساب سے مشہور ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں ابھی اچھی طرح قدم جمنے بھی نہ پائے تھے کہ صدائے توحید کانوں میں گونجنے لگی۔ اس کی مقناطیسی کشش نے انہیں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام کا شیدائی بنا دیا۔ یہ وہ پُر آشوب زمانہ تھا کہ علانیہ خدائے وحدہ لاشریک لہٗ کا اقرار و اظہار قلمرو شرک میں شدید ترین جرم خیال کیا جاتا تھا لیکن سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے اپنی بے بسی اور غریب الوطنی کے باوجود اخفائے حق گوارا نہ کیا۔ چنانچہ موصوف "ہفت اختراں" میں سے ایک تابناک "اختر" کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں (ہفت اختر ہفت سیارے سورج، چاند، زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل) اظہارِ ایمان اور حق پسندی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے مصائب اور گوناگوں مظالم کا نشانہ بنائے گئے۔ یہاں تک کہ پیمانۂ صبر و تحمل لبریز ہو گیا تو مکہ چھوڑ کر عازم حبش ہوئے۔

کچھ دنوں بعد سرزمینِ حبش سے مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ دیکھا کہ مسلمان مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تیاریوں میں مصروف ہیں لیکن وہ اپنی بعض مجبوریوں کے باعث اس سعادت سے فی الوقت معذور تھے۔ یہاں تک کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کر کے مدینہ جا سکینہ میں اقامت گزیں ہو گئے، اور کفر و اسلام میں فوجی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

آغازِ اسلام کی عسرت و ناداری نے انہیں حد درجہ جفاکش و قانع بنا دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ جب میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آیا تو یہاں میرے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا کوئی سہارا نہ تھا۔ بھوک سے حالت دگرگوں تھی۔ بالآخر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے دونوں ساتھیو

کراپنے میزبان سیدنا کلثوم بن ہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر جگہ مرحمت فرمائی۔ آپؐ کے پاس اس وقت صرف چار بکریاں تھیں جن کے دودھ پر ہم لوگوں کا گذارا تھا۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ باہر تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ میں نے خیال کیا کہ آج کسی انصاری صحابی نے آپ کی دعوت کی ہوگی اور آپؐ آسودہ ہوکر تشریف لائیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی میں نے اٹھ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے کا دودھ بھی پی لیا لیکن پھر خیال آیا کہ اگر یہ قیاس غلط ثابت ہوا تو بڑی ندامت ہوگی غرض میں اسی شش و پنج میں تھا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دودھ کی طرف بڑھے۔ دیکھا تو پیالہ خالی تھا۔ مجھے اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوئی۔ آپؐ نے کچھ کہنے کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میں خوف وہراس سے پسینہ پسینہ ہوگیا اور اندیشہ ہوا کہ عنقریب آپؐ کی بددعا سے ہماری دنیا و آخرت تباہ ہوجائے گی لیکن میری توقع کے خلاف آپؐ کی زبان پاک سے یہ الفاظ صادر ہوئے:

اللھم اطعمہ من اطعمنی — خدایا جو مجھے کھلائے تو اسے کھلا

واسق من سقانی — اور جو مجھے سیراب کرے تو اسے سیراب کر

اس دعا سے جان میں جان آئی اور ہمت بڑھی۔ اٹھ کر بکریوں کے پاس گیا کہ شائد کچھ دودھ نکل آئے، لیکن خدا کی قدرت پر قربان جاؤں جس تھن پر ہاتھ پڑا وہ دودھ سے لبریز نظر آیا۔ غرض کافی مقدار میں دودھ کر خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم پی چکے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پہلے نوش فرمالیں پھر واقعہ کی تفصیل عرض کروں گا۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب سیر ہوکر نوش فرمالیا تو مجھے اپنی گذشتہ غلطی اور ندامت پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوالاسود! یہ کیا ہے۔ میں نے تمام واقعہ کہہ سنایا۔ اس پر آپؐ نے نہایت متانت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ۔ یہ خدا کی رحمت تھی۔ تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں بیدار نہ کردیا کہ وہ بھی اس سے مستفیض ہوتے۔"

یہ واقعہ کتنے ہی عبرت آموز واقعات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ صحابہ کرامؓ کی غربت و افلاس کی اس سے عکاسی ہوتی ہے جنہیں کھانے کے لیے صرف اور صرف دودھ میسر تھا لیکن اس کی مقدار بھی اتنی قلیل جس سے شکم سیری تو کجا محض دل کی ڈھارس کا سامان تھا اور یہ ساری سختیاں اور اذیتیں اللہ جل جلالہ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے برداشت

کرتے تھے۔ اور اس فاقہ مستی میں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے اور جن کا طرۂ امتیاز "الفقر فخری" تھا۔ سردارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کی منظر کشی شاعر نے کیسے دل رُبا انداز میں کی ہے ؎

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر	اپنا یہ حال ہے کہ چولہا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندے کو پاؤں کے تلے	اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

پیکرِ جود و سخا و منبعِ فیوض و عطا صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ کریم پر قربان جائیں کہ اپنے پروانوں کی غلطی پر مواخذہ تو کہاں بلکہ تعرض بھی نہ فرمایا اور اس پر مستزاد ارشاد ہوتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے بہرہ یاب کرنا چاہیئے تھا۔

علاوہ ازیں سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ کی معمولی سی کوتاہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کے ظہور کا موجب بن گئی کہ بکری کے خالی تھن پھر سے دودھ سے لبریز ہو گئے۔ اس نوعیت کی دقتوں کے وقت عموماً آپ کے معجزات کے ظہور سے حاجت براری ہوا کرتی تھی جو ایک ہی وقت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصفِ بندہ پروری کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شانِ محبوبیت کو آشکارہ بھی کرتی تھی۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

نام عثمان، ابو السائب کنیت، والد کا نام مظعون اور والدہ کا نام سخیلہ بنت الانیس تھا۔ موصوف فطرۃً سلیم الطبع، نیک نفس و پاک باز تھے۔ ایامِ جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ مستِ خرابات تھا لیکن ان کی زبان اس وقت بھی بادۂ ارغوانی کے ذائقہ سے نا آشنا تھی۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی کہا کرتے تھے۔ ایسی بیہودہ چیز کے پینے سے کیا فائدہ جس سے عقلِ انسانی میں فتور آ جائے۔ ذلیل و کم رتبہ آدمی اسے مضحکہ بنائیں اور نشہ کی حالت میں ماں بہن کی تمیز بھی جاتی رہے۔ اس فطری پاکبازی کے باعث ان کا لوحِ دل بالکل صاف اور آئینہ کی طرح شفاف تھا جس پر رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تلقین نے بہت جلد توحید کا نقش دوام ثبت کر دیا۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ اس وقت تک صرف ۱۳ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حلقہ بگوشِ اسلام ہونے تھے۔ امام ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق سیدنا عثمان بن مظعون، سیدنا ابو عبیدہ بن الحارث، سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف، سیدنا ابو سلمہ بن

عبد الاسد اور سیدنا ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارقم بن ابی ارقم رضہ کے مکان میں پناہ گزیں ہونے سے پہلے ایک ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔

شہ نبوی میں بلاکشانِ اسلام کی ایک جماعت نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ملک حبش کی راہ لی۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بے خانماں گروہ کے امیر تھے۔ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہنے کے بعد اس غلط افواہ کی بنا پر کہ تمام قریش نے اسلام قبول کر لیا ہے پھر واپس تشریف لائے لیکن جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر اس خبر کی تحقیق کرائی تو وہ بے بنیاد نکلی جس کے باعث سخت پریشان ہوئے کیونکہ دوبارہ اتنی دور لوٹ جانا بھی دشوار تھا اور دوسری طرف مکہ میں داخل ہونے سے مشرکین کے ظلم و ستم کا خوف بھی دامن گیر تھا۔ حتیٰ کہ اسی حیص بیص میں جہاں تک پہنچ چکے تھے وہیں رک گئے۔ آپ کے دوسرے ساتھی ایک ایک کر کے اپنے مشرک اعزہ و احباب کی پناہ میں مکہ پہنچ گئے تو وہ بھی مجبوراً ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوئے۔ اگرچہ ولید بن مغیرہ کے اثر و رسوخ نے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرکین مکہ کی اذیتوں سے محفوظ کر دیا تھا، تاہم وہ خود رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اور دوسرے صحابہ کرامؓ کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر اس ذاتی راحت و اطمینان کو گوارا نہ کر سکے اور دل میں افسردہ و غمگین رہتے۔ ایک روز خود بخود اپنے نفس کو ان الفاظ میں ملامت کرنے لگے۔

"افسوس میرے احباب اور خاندان والے راہِ خدا میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہے ہیں اور میں ایک مشرک کی حمایت میں اس چین اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں۔ خدا کی قسم یہ میرے نفس کی بہت بڑی کمزوری ہے۔"

اس خیال نے ماہیٔ بے آب کی طرح بے تاب کر دیا۔ اسی وقت ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے اور فرمایا۔ "اے ابو عبد شمس! تمہاری ذمہ داری پوری ہو چکی۔ اس وقت تک میں تمہاری پناہ میں تھا لیکن اب خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں رہنا پسند کرتا ہوں۔ میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کا نمونہ بس ہے۔"

ولید نے کہا ــــ "شاید میری قوم کے کسی آدمی نے تمہیں اذیت پہنچائی ہے۔"

کہنے لگے ــــ "ایسا تو نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی اور کی حمایت درکار نہیں۔ تم ابھی میرے ساتھ خانہ کعبہ چلو اور جس طرح تم نے میری حمایت

کا اعلان کیا تھا، اسی طرح اسے واپس لینے کا اعلان کر دو۔"
ولید ان کے اصرار سے مجبور ہو گیا اور مسجد الحرام میں پہنچ کر مجمع عام میں حضرت عثمانؓ کی خواہش کے مطابق اعلان کر دیا کہ یہ میری دی ہوئی پناہ کو واپس کرنا چاہتے ہیں۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق و توثیق کر دی اور کہنے لگے ــــ "صاحبو! میں نے ولید کو نہایت ہی وفادار اور مہربان پایا لیکن اب مجھے یہ بات زیادہ پسندیدہ ہے کہ غیر اللہ کی پناہ نہ لوں۔ میں نے ان کی پناہ کو ان پر واپس کیا اور خود ہی اس بارِ احسان سے سبکدوش ہوتا ہوں۔"
اس اعلان کے بعد سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ لبید بن ربیعہ کے ساتھ قریش کی ایک مجلس میں تشریف لائے۔ لبید چونکہ اس زمانہ کا مشہور شاعر تھا اس لیے اس کے پہنچتے ہی شعر و شاعری سے محفل گرم ہو گئی۔ اس نے جب اپنا قصیدہ سناتے ہوئے یہ مصرعہ پڑھا

الاکل شئ ماخلی اللہ باطل نہیں واضح رہے کہ خدا کے سوا ہر چیز باطل و بیکار ہے۔

حضرت عثمانؓ نے بے اختیار داد دی کہ تم نے سچ کہا، لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا

کل نعیم لامحالۃ زائل لامحالہ ہر ایک نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی

حضرت عثمانؓ بول اٹھے ــــ "تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں۔ وہ کبھی زائل نہ ہوں گی۔"
اس پر ایک دفعہ تمام مجمع نے غضب آلود نگاہ ڈال کر لبید سے اس شعر کو مکرر پڑھنے کی فرمائش کی۔ اس نے جوش و جذبہ سے اس کا اعادہ کیا تو سیدنا عثمانؓ نے پھر پہلے مصرعہ کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر کے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو، جنت کی نعمتیں کبھی زائل نہ ہوں گی"۔ لبید نے کہا۔ گروہِ قریش! خدا کی قسم تمہاری مجلسوں کا پہلے تو یہ حال نہ تھا" اس اشتعال انگیز جملہ سے تمام مجمع سیخ پا ہو گیا اور برہمی پھیل گئی اور ایک بدکردار نے حضرت عثمانؓ کی طرف بڑھ کر اس زور سے طمانچہ مارا کہ ایک آنکھ زرد ہو گئی۔ لوگ کہنے لگے "عثمان! خدا کی قسم تم ولید کی حمایت میں نہایت معزز تھے اور تمہاری آنکھ اس آفت سے محفوظ تھی" وہ بولے "خدا کی حمایت سب سے زیادہ باامن و ذی وقار ہے اور جو میری آنکھ صحیح و تندرست ہے وہ بھی اپنی ساتھی آنکھ کے صدمہ میں شریک ہونے کی متمنی ہے۔" ولید نے کہا "کیا اب بھی تم میری پناہ میں آنا قبول کرتے ہو۔ فرمایا۔

میرے لیے صرف خدا کی پناہ کافی ہے۔"

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنی مصیبت زدہ آنکھ کے بارے میں حسب ذیل شعر کہے

۱۔ ان تك عيني في رضى الرب نالها — يد املحد في الدين ليس بمهتد

۲۔ فقد عوض الرحمن منها ثوابه — ومن يرضه الرحمن يا قوم يسعد

۳۔ فاني وان قلتم غوى مضلل — سفيه على دين الرسول محمد

۴۔ اريد بذاك الله والحق ديننا — على رغم من يبغي علينا ويعتدى

ترجمہ: ۱۔ اگر میری آنکھ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں ایک ملحد بے دین گمراہ کے ہاتھوں مصیبت پہنچی (تو کیا ہُوا)

۲۔ اللہ پاک نے اس کے بدلہ میں اپنا ثواب عطا فرمایا اور جس کو اللہ راضی رکھے اے قوم وہی نیک بخت اور کامیاب ہے۔

۳۔ بلاشبہ اگرچہ تم لوگ کتنا ہی کہتے رہو کہ میں بھٹکا ہُوا اور گمراہ بیوقوف ہوں۔ میں دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں۔

۴۔ اس سے میں نے اللہ کا ارادہ کیا ہے اور ہمارا یہی دین حق اور صحیح ہے۔ جو لوگ ہم سے بغاوت اور عداوت کرتے ہیں خواہ انہیں یہ بات کتنی ہی بُری لگے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اس آنکھ کی مصیبت کے متعلق چند اشعار کہے تھے جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

۱۔ کیا ایسے زمانہ کی یاد سے جو پُرامن نہیں، تو غم زدہ لوگوں کی طرح رو رہا ہے اور رنجیدہ ہو رہا ہے۔

۲۔ یا ایسی ناہنجار قوم کی یاد میں جو ان لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں جو دین کی طرف بلائیں۔

۳۔ یہ قوم جب تک صحیح سالم ہے فحش اور گناہ سے نہیں رُک سکتی اور غداری کا راستہ ان لوگوں میں محفوظ نہیں

۴۔ کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے خیر و برکت اٹھالی؟ تمہیں عثمان بن مظعون کے ساتھ زیادتی پر بہت غصہ آیا۔

۵۔ جب ان کے چہرے پر طمانچہ بازی کر رہے تھے اور ان کی آنکھ کے ضائع ہونے سے نہ ڈرے۔ لگاتار چھینکے مارتے رہے اور ایسی مار ماری جس میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔

عنقریب اللہ ان کو بدلہ دے گا۔ اگر یہ اب نہ مرے (تو جب بھی مر یا گے) اللہ بدلہ دے گا برابر سرابر۔ ایسا بدلہ جس میں کوئی کمی اور غبن نہ کیا جائے گا۔

بعد ازاں ایک عرصہ تک سیدنا عثمان بن مظعون رضؓ کفار نابکار کے مظالم صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا تو وہ بھی اپنے خاندان کے ہمراہ جس میں ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہ بن مظعون، حضرت عبداللہ بن مظعون اور ان کے صاحبزادے سائب بن عثمانؓ بھی شامل تھے اس سرزمین راحت و رافت میں پہنچ کر سیدنا عبداللہ بن سلمہ عجلانی کے مکان پر فروکش ہوئے۔ موصوف نے اپنے اعزہ سے اس طرح مکہ مکرمہ خالی کر دیا تھا کہ ان کے خاندان کا کوئی ایک فرد بھی وہاں نہ رہنے پایا اور تمام مکانات بند کر دیے گئے۔

مصائب و آلام کی طویل زندگی بسر کرنے کے بعد صرف دو سال کا مختصر سا عرصہ مدینہ یا سکینہ میں گزارا ہی تھا کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر خلد بریں میں جلوہ افروز ہو گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کی مفارقت کا شدید غم تھا۔ آپؐ نے تین مرتبہ جھک کر ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس قدر چشم پرنم ہوئے کہ اشک مبارک سے حضرت عثمانؓ کے رخسار تر ہو گئے۔ پھر سر مبارک اٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔ "ابو سائب! میں تم سے جدا ہوتا ہوں۔ تم دنیا سے اس طرح نکل گئے کہ تمہارا دامن اس سے ذرا بھی ملوث نہ ہوا۔"

اس وقت تک مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا کوئی خاص قبرستان نہ تھا۔ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی وفات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ بقیع کو اس کے لیے منتخب فرمایا۔ چنانچہ وہ پہلے صحابی تھے جو اس گورِ غریباں میں مدفون ہوئے۔

امام ابن سعد نے عبداللہ بن ابی رافع کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے لیے قبرستان کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ آپ مدینہ کے اطراف میں آئے پھر فرمایا مجھے اس جگہ کا حکم دیا گیا ہے یعنی بقیع کا۔ اس وقت اسے بقیع الخبخبہ کہا جاتا تھا۔ اس کی اکثر روئیدگی غرقد تھی (اسی لیے بقیع الغرقد مشہور ہوا) اس جگہ بہت سے چشمے، ببول اور خاردار درخت تھے۔ مچھر اس قدر تھے کہ جب شام ہوتی تو دھوئیں کی مانند چھا جاتے تھے۔ وہاں سب سے پہلے جو شخص دفن ہوئے وہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرہانے ایک پتھر رکھ دیا اور (باقی ص۴۶ پر)

حضرات صحابہ کرامؓ کے واقعات

اور ازالہ شبہات

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ

مرتب: جناب ماسٹر منظور حسین صاحب (ساہیوال سرگودھا)

① فرمودات نبویؐ پر شبہ کا ازالہ

حدیثوں میں کہیں تو آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "مجھے سب سے زیادہ محبت فاطمہؓ سے ہے"۔ کہیں فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ محبت عائشہؓ سے ہے"۔ کہیں فرماتے ہیں کہ "سب سے زیادہ مجھے ابوبکر صدیقؓ محبوب ہیں"۔ کسی میں ہے کہ "سب سے زیادہ محبوب مجھے علیؓ ہیں" تو بظاہر اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے آدمیوں سے محبت ہو اور سب سے زیادہ بھی ہو۔ سب سے زیادہ محبت تو ایک ہی سے ہو سکتی ہے۔

تو بات وہی ہے کہ محبت کی انواع مختلف ہیں۔ نوعِ محبت اولاد میں سب سے زیادہ حضرت فاطمہؓ سے محبت تھی۔ حبِ ازواج میں سب سے زیادہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے اور نوعِ اقارب میں سب سے زیادہ حضرت علیؓ سے اور نوعِ اصحابؓ میں سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے محبت تھی۔ پس احادیث میں کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ (از وعظ "وحدت الحب" ص ۲۲)

② حضرت صہیبؓ کی ھجرت

ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ الخ

ترجمہ: بعض وہ لوگ ہیں جو طلبِ رضاءِ الٰہی کے لیے اپنی جان (تک) بیچ دیتے ہیں۔

شانِ نزول اس آیت کا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ رہے تھے۔ راستہ میں کفار نے گھیر لیا تو انہوں نے کہا تم جانتے ہو کہ میں کیسا تیر انداز ہوں (تیر اندازی کے فن میں یہ مشہور تھے) اگر مقابلہ کرو گے تو میں تیروں سے سب کو مار ڈالوں گا۔ باقی اگر تم کو مال کی ضرورت ہو تو مکہ میں میرا مال بہت ہے۔ لاؤ میں تم کو رقعہ لکھ دوں، تم جا کر وکیل سے مال لے لو۔ کفار نے اسی کو غنیمت سمجھا کیونکہ مقابلہ میں ان کو اپنی جان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے رقعہ لکھ دیا اور وہ سب واپس چلے گئے۔

یہاں تو حضرت صہیب رض نے جان بچانے کو مال دیا تھا جان دی نہیں تھی

ایک شبہ کا ازالہ سو شانِ نزول دیکھ کر معنی بیع پر اشکال ہوتا ہے کہ واقعہ نزول میں جان کی بیع کہاں ہوئی تھی بلکہ وہاں تو جان کو بچایا گیا تھا؟ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے یشتری نفسہ (اشتری نفسہ من المھالک والمخاوف کی ہے) مگر میں نے لفظ تک بڑھا کر اشکال کو رفع کر دیا کہ گو حضرت صہیب رض نے اس واقعہ میں بظاہر مال ہی دیا تھا مگر حقیقت میں وہ اپنی جان تک کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بیع کر چکے تھے جس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تن تنہا ہجرت کے لیے چل کھڑے ہوئے اور یہ وہی کر سکتا ہے جو اپنی جان کو خدا تعالیٰ کے حوالے کر چکا ہو کیونکہ کفار کے نرغہ سے تن تنہا ہجرت کر کے نکلنا جان کو ہتھیلی پر رکھ کر چلنا ہے۔ پھر یہ تو ایک اتفاقی بات تھی کہ کفار مال لینے پر راضی ہو گئے اگر وہ مقابلہ پر آمادہ ہوتے تو حضرت صہیب رض اللہ کے لیے جان دینے پر بھی تیار تھے اور اس کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے۔

ایک اور شبہ کا ازالہ شاید کوئی یہ کہے کہ حضرت صہیب رض مقابلہ کرتے تو واقعی کمال تھا یا مال کو صدقہ کرتے تو یہ بھی ایک کمال تھا۔ باقی جان بچانے کو مال دے دینا کیا بڑا کمال ہے۔ یہ تو ہر شخص کیا کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے تو جان بچاتے ہیں اپنی جان کی محبت سے اور حضرت صہیب رض نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جان بچائی تھی جیسا کہ ابتغاء مرضاۃ اللہ سے معلوم ہو رہا ہے اور یہ بات محض اتنی نیت کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی کہ میں اللہ کے واسطے جان بچاتا ہوں بلکہ غلبۂ حال سے حاصل ہوتی ہے کہ یہ امر اس کا حال بن جائے کہ جان میری نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی ہے جس کی حفاظت بہ نیت خدمت میرے ذمہ ہے... پس حضرت صہیب رض کا فعل ظاہر میں معمولی معلوم ہوتا ہے مگر نیت و حال کی وجہ

سے وہ حق تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا ہے۔ ان کی یہ نیت مقبول ہوگئی اور آیت میں ان کی مدح کی گئی۔
(از وعظ تکمیل المرام فی صورۃ ذبح الانعام) ص۲۰

③ آنحضرتؐ کے پیغامِ نکاح پر اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ کا طرزِ عمل

حضرت زینبؓ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا حتی استغیر فیہ ربی کہ "میں اللہ تعالیٰ سے اول استخارہ کرلوں" اب یہاں سے حضرت اُمّ المومنین زینبؓ کا فہم معلوم ہوتا ہے کہ جب حضورؐ نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو جواب دیا کہ استخارہ کرکے عرض کردوں گی۔

ایک شبہ کا ازالہ: یہاں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں اور آپ کے نکاح میں تو شر کا احتمال کہاں تھا جو استخارہ کی حاجت ہوئی۔ اس نعمت کو فوراً قبول کرلینا چاہئے تھا؟ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ بے شک حضورؐ کی خدمت تو خیر محض تھی مگر ہر شخص تو اس کا اہل نہیں ہوتا بعض دفعہ خادم نااہل ہوتا ہے۔ اس کی خدمت سے مخدوم کو راحت نہیں ہوتی اور بعض دفعہ خادم اہل ہوتا ہے لیکن مخدوم کا مزاج بہت لطیف ہوتا ہے جس کی رعایت اس سے پوری طرح نہیں ہوسکتی....

چونکہ حضورؐ حس اور لطافت سب سے زیادہ رکھتے تھے، اس لیے واقعات سے آپؐ پر زیادہ اثر ہوتا تھا۔ پس اب سمجھو کہ آنحضرتؐ کی خدمت گو خیر محض تھی مگر آپؐ کی لطافتِ طبع کی وجہ سے کسی خدمت کے خلافِ مزاج ہونے سے آپؐ کو تکلیف کا احتمال تھا۔ حضرت زینبؓ اس نکتہ کو پہنچ گئیں اس لیے انہوں نے استخارہ کیا۔ (از وعظ الرحمۃ علی الامۃ ص۵۲)

④ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مرتبہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضرت بلال حبشیؓ کے خریدنے میں لوگوں کی نگاہوں میں ہوا تھا کہ اپنا ایک ہوشیار اور دانا غلام رومی مع ایک بڑی رقم کے دے کر دنیا کے اعتبار سے ایک محض بیکار غلام کو خریدا

وَقَدْ رَاسَى النَّبِی بِکُلِّ فَضْلٍ　　وَاَعْتَقَ مِنْ ذَخَائِرِہٖ بِلَالًا

مگر حضرت ابوبکرؓ کی نظر میں ایک بلالؓ کے مقابل ہزار غلام رومی جیسے ہیچ تھے کیونکہ یہ مسلمان تھے اور وہ کافر تھا۔ صدیق اکبرؓ کی اس قدر دانی کی حقیقت خدا سے، رسولؐ سے اور صحابہؓ سے

پوچھے جب کفار نے حضرت ابوبکر رض کو اس معاملہ میں خاسر و ناکام کہا تو حق تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الآیۃ

یعنی سوا ان ایمان والوں کے جو نیک کام کرتے ہیں اور سارے انسان نقصان میں ہیں۔"

حضرت بلال حبشی رض کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خرید فرما کر زبانِ حال سے گویا یہ فرماتے تھے

جمادے چند دادم جاں خریدم   بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

اور ان کی شان یہ تھی

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ   نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

حضرت بلال رض وہ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک بار پوچھا کہ میں جنت میں گیا تو تم کو آگے چلتا ہوا پایا۔ تم کیا خاص عمل کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں تحیۃ الوضو کا پابند ہوں۔

ایک شبہ کا ازالہ مگر اس واقعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ آگے چلنا ہمیشہ فضیلت ہی سے نہیں ہوا کرتا۔ خادم بھی تو آگے چلا کرتا ہے مگر یہ خدمت بھی تو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ دولتِ خدمت ان کو تحیۃ الوضو سے حاصل ہوئی۔" (از وعظ "مواساۃ المضامین") ص۱۸

⑤ صحابہ کرام رض کا شوقِ عبادت

چند صحابہ کرام رض نے بعض امہات المومنین رضی اللہ عنہا سے آپ کی شب کے حالات سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ صحابہ رض نے اپنے خیال میں اس کو قلیل سمجھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو ارفع ہے۔ آپ کو تو اتنی بھی ضرورت نہیں۔ آپ کی شان تو یہ ہے لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر اور ہم کو زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے ان میں سے ایک نے تو یہ قسم کھائی کہ میں تمام عمر روزہ رکھا کروں گا۔ ایک نے قسم کھائی کہ میں نکاح نہ کروں گا۔ ایک نے قسم کھائی کہ میں رات کو نہ سوؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے اور یہ سب واقعہ سُنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔ افطار کرتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں جاگتا بھی ہوں وذالک من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی یعنی یہ سب میری سنت سے ہے اور جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے

اور خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ میرے فعل سے بچتے ہیں حالانکہ میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں۔ پس اگر یہ تنگی کرنا ناپسند نہ تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش کیوں ہوئے؟

ایک شبہ کا ازالہ: اگر کوئی شبہ کرے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تو یہ افعال ترک نوم و ترک افطار وغیرہ اپنے درجہ کو کم سمجھ کر اختیار کرنا چاہتے تھے پھر اس پر اس قدر انکار کیوں فرمایا؟ بات یہ ہے کہ مباح کو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وجہ سے اختیار کرتے اور ان اعمال کو اپنی رائے سے۔ پہلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا دوسری صورت میں اپنی رائے کا اظہار ہے۔ جو برکت اور قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ہے وہ اپنی رائے سے کسی عمل کے اختیار کرنے میں کیسے ہو سکتا ہے؟ (از وعظ المباح ص ۳۷)

اعتذار

قارئین کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ گذشتہ شمارہ میں مرزا سلیم صاحب کا کتب شیعہ کے بارے میں ایک اشتہار شائع ہو گیا تھا تو ان کی غرض علماء اہل سنت حضرات کے لیے کتب دستیاب کرنا تھا۔ مگر ایسا اشتہار بھی ہمارے رسالے کے مسلک سے مطابقت نہیں رکھتا لہٰذا اس کی اشاعت پر بھی ہم معذرت خواہ ہیں۔ (ادارہ)

بقیہ: داستان خوں چکاں

فرمایا کہ یہ ہماری علامت ہے۔ بعد ازاں جب کوئی میت ہوتی تو پوچھا جاتا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اسے کہاں دفن کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ ہماری نشانی (عثمان بن مظعون) کے پاس۔

(جاری ہے)

محمد حسین اینڈ برادرز متوجہ ہوں آپ نے مبلغ -/۵۵ روپے ارسال کیے ہیں لیکن اپنا پتہ تحریر نہیں فرمایا۔ اس لیے آپ جلد از جلد اپنا پتہ ارسال کریں تاکہ آپ کے نام رسالہ اجراء کیا جا سکے۔

جناب حافظ لدھیانوی صاحب، راجہ روڈ، گلستان کالونی، فیصل آباد

"حق چار یار" کا تازہ شمارہ آج ہی موصول ہوا۔ اس دورِ پرفتن میں آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تقدس اور احترام کا عَلَم بلند کیے ہوئے ہیں۔ یہ رضائے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا تمغہ ہے جس کی تابندگی ماند نہیں پڑ سکتی۔ یہ تمغہ آخرت کی نجات کا ضامن اور وسیلہ نجات ہے۔ دُنیا میں کسی کے دامن سے ایسے جاں نثار وابستہ نہیں ہیں اور نہ قیامت تک ہوں گے جن کا واحد مقصد اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ جنہوں نے اپنے مال سے اپنی جان کی شہادت دے کر جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی سند حاصل کی ہو۔ زیاد ابن سکن رض غزوۂ احد میں زخموں سے چور ہیں جسم مقدس کا ہر حصہ زخمی ہے۔ آخری خواہش یہ ہے کہ وہ زخمی بدن کو گھسیٹتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک تک پہنچ کر آخری سانس لیں۔ اُن کی یہ خواہش پوری ہوئی۔ ابو دجانہ رض نے اپنی پیٹھ کو ڈھال بنالیا کہ دشمنوں کے تیر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جائیں۔ پیٹھ زخمی ہو گئی مگر جنبش نہیں کی کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ یہ تو میں نے دو مثالیں دی ہیں۔ اسلامی تاریخ جاں نثاروں کے ایسے کارناموں سے پُر ہے۔ جاں نثاری کے یہ انداز دیکھ کر فرشتے بھی متحیر ہو گئے ہوں گے۔ یہ جاں نثارانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کی قربانیوں سے دین ہم تک پہنچا۔ اس سے زیادہ ملعون کون ہو سکتا ہے جو ان نفوسِ قدسیہ کی تحقیر کرے۔ یہ کم بختی کی آخری حد ہے۔ اللہ سب کو ہدایت دے۔

آپ "حق چار یار رض" کی اشاعت سے ہر کلمہ گو کی دعائیں لیتے ہیں۔ یہ دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔

ان مضامین سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت آئینہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے اور ان تمام احباب کو جو دامے درمے قدمے سخنے اس میں حصہ لیتے ہیں۔ آمین

جناب چراغ الدین فاروق صاحب، ناظم دار المطالعہ اسلامیہ
و سرپرست انجمن صوت الاسلام، کوٹ رنجیت سنگھ شیخوپورہ

حق چار یارؓ جون / جولائی ۹۰، موصول ہوا۔ کافی ضخیم پرچہ ہے۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے دو طویل مضامین ہیں۔ بڑا معیاری اور تحقیقی پرچہ ہے۔ قابلِ مطالعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقائد و اعمال کی درستی کی توفیق بخشے (آمین) مدح صحابہؓ و خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم سے متعلق چار نظمیں شاملِ اشاعت کی گئی ہیں جو بہت خوب ہیں۔ نعت شریف "آپؐ کا خندہ لب یاد آیا" کتنی ایمان افروز ہے سبحان اللہ۔ حضرت قاضی صاحب مدظلہ کا اداریہ حسبِ معمول بہت اچھا اور بر وقت ہے۔ کاش پاکستان میں وہ اسلامی حکومت برسرِ اقتدار آئے جو عامۃ المسلمین (اہل السنت والجماعت) کے مسائل پر توجہ دے اور ان کے جائز مطالبات کو پذیرائی حاصل ہو (آمین)

حضرت فاروق اعظمؓ ایک اندھی اپاہج بڑھیا کی رات کے وقت خبر گیری کیا کرتے تھے جو مدینہ طیبہ کے پاس کہیں رہا کرتی تھی مگر چند روز کے بعد آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص پہلے ہی آکر اس کا کام کر جاتا ہے۔ آپؓ کو سخت حیرت ہوئی کہ کون ایسا شخص ہے؟ آخر ایک رات یہ دیکھنے کے لیے کہ کون شخص آتا ہے وہاں ٹھہر گئے۔ دیکھا تو حضرت صدیق اکبرؓ تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔ بھلا سوائے آپ کے اور کون ایسا ہو سکتا ہے؟

بیماری کی صحیح تشخیص اور تجویز ہی پر

صحت کا دار و مدار ہے

دکھی انسانوں کی خدمت کا

قابلِ اعتماد مطب
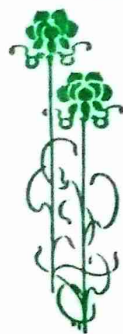
ماہنامہ حق چار یار لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۴۵۸

سُنّی ترانہ

خُدامِ اہلِ سُنّت ہیں ہم سُنّت کو چمکائیں گے
ہاتھ میں سُنّی پرچم لے کر ہم میدان میں آئیں گے

صدیق رضؓ و فاروق رضؓ اور عثمان رضؓ و حیدر رضؓ سب بھائی ہیں
ہم اُن رضؓ کی عظمت مانیں گے، اُن رضؓ کے نغمے گائیں گے

اصحابؓ حضرتؐ سب ہی معیارِ حق ہیں حُجت ہیں
ہم اُن رضؓ کے ذکرِ حسنہ سے خُوں مسلم کا گرمائیں گے

پھانسی کے تختے پر بھی، ہم سچی باتیں کہہ دیں گے
ہم اُن رضؓ کے دیوانے ہیں، یہ باطل کو سمجھائیں گے

پیغمبرؐ کے یاروں رضؓ پر ہے اپنا تو ایمان مگر
نکتہ چینی کرنے والے محشر میں شرمائیں گے

اصحابؓ بدر و احد و خندق سے اللہ راضی ہے
پیچھے پیچھے آنحضرتؐ کے وہ جنت میں جائیں گے

نیزوں کے سائے میں کہنا حق شبیری سنت ہے
ہم اُن رضؓ کی سیرت پر چل کر ظالم سے ٹکرائیں گے

ہم باطل کا سر توڑیں گے اور حق سے رشتہ جوڑیں گے
ہم پکے مومن ہیں اور توحید کی رہ اپنائیں گے

وہ سب اللہ سے راضی اور اللہ اُن رضؓ سے راضی ہے
سورۂ توبہ میں ہے قمرؔ یہ دُنیا کو دکھلائیں گے

قمر حجازی اوکاڑہ